Baitussalam.org · Baitussalam_org · Baitussalam_org · +9221-111-298-111

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

• جلد/9 • شمارہ/01 • ستمبر/2017

دینی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

کراچی

ستمبر 2017ء

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	محمد کاشف تبسم
ناظم	خالد عبدالرشید
کمپوزنگ	مظفر بھٹو
نظرثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	نوید فرید

آراء و تجاویز کے لیے

0304-0125750 | 0333-4573885

ڈاک سے متعلق امور کے لیے

0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے

0314-2981344

marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت یا بذریعہ منی آرڈر رسالہ کے اجراء کے لیے

26-C گراؤنڈ فلور، بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ:	40 روپے
اندرونِ کراچی سالانہ (بذریعہ کوریئر):	520 روپے
بیرونِ کراچی سالانہ (بذریعہ رجسٹری):	520 روپے
بیرونِ ملک بدل اشتراک	35 ڈالر

ناشر	مطبع	مقامِ اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹر	دفتر فہمِ دین

زیرِ سرپرستی

مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

فہم و فکر

دفاعِ پاکستان اور قومی زبان — مدیر کے قلم سے — 04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن — شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم — 05

فہمِ حدیث — مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ — 06

آئینہ زندگی — حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ — 08

مضامین

بڑا آدمی — ڈاکٹر ذیشان الحسن عثمانی — 10

حضرت سفیان ثوریؒ — حذیفہ رفیق — 12

نیا اسلامی سال اور محاسبۂ زندگی — حضرت مفتی رشید احمدؒ — 14

اہلِ ایمان کی قربانیاں — محمد کاشف تبسم — 16

دنیا کی محبت — حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ — 18

مسائل پوچھیں اور سیکھیں — مفتی محمد توحید — 20

باورچی خانہ اور ہماری صحت — حکیم شمیم احمد — 22

خواتینِ اسلام

باپ کا بیٹی کے نام خط — محمد دانش — 25

آنسوؤں اور آہوں کی رُوداد سُن — بنتِ عامر — 26

دفاعِ پاکستان — اُمِّ ابوبکر — 29

وہ ہی تو ہے — نفیسہ سعید — 30

اسلام کی باہمت خواتین — اہلیہ محمد فیصل — 32

باغیچہ اطفال

شکر کا صلہ — اہلیہ محمد فیصل — 34

قیصر کی قندیل — ڈاکٹر الماس روحی — 35

شیرو، شکرا اور شہزادہ — کائنات غزل — 36

ننھے ادیب — 38

بچوں کے فن پارے — 40

انعامات ہی انعامات — 41

بزمِ ادب

اے وطن تیرا دِل کش جہاں چوم لوں — ارسلان اللہ خان — 42

کاش ہو جائے ملت بھی یک جا — ارسلان اللہ خان — 42

جنگِ ستمبر ۱۹۶۵ — جوہر عباد — 43

گلدستہ — ادارہ — 44

اخبار السلام

خبرنامہ — ادارہ — 46

pg02 Arabian 1

فہم وفکر

ماضی کے جھروکوں میں ستمبر کے مہینے سے ہماری بہت ہی حسین یادیں وابستہ ہیں۔ جی ہاں 1965 میں ستمبر کا وہ دوسرا ہی ہفتہ تھا جس میں ہماری پاک فوج نے

جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اِک بہانہ

کا عملی مظاہرہ کر کے دِکھایا اور رات کو بزدلانہ حملہ کرنے والوں اور صبح کا ناشتہ لاہور میں کرنے کے خواب دیکھنے والوں کو چھٹی کا دودھ یاد دِلا دیا۔ یہ جنگ واقعی پاکستان کے اُن سنہرے ابواب میں سے ہے، جس سے ہر پاکستانی کا سر فخر سے بلند ہے، لیکن آج میں اپنے قارئین سے ایک اور رسہ کشی کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں اور وہ ہے

تہذیب وثقافت کی رسہ کشی

آج دُنیا عالمی بستی کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ ایک صدی پہلے تک تو اگر کسی کا قریبی بیرون ملک کام کے لیے چلا جاتا تو مائیں اور بیویاں اسے ''اللہ کے سپرد'' کر کے بھیجتیں، کیوں کہ جانے کے بعد نہ زندگی موت کی اطلاع دینے کی کوئی صورت ہوتی اور نہ خوشی غمی کا بتانا ممکن ہوتا، لیکن آج کی دُنیا اس کے مقابلے میں یک سر بدل چکی ہے۔ اب ڈائننگ ٹیبل پر پہلو میں بیٹھے بھائی بہن سے ابھی حال احوال ہو نہیں پاتا کہ واٹس اپ اور فیس بک کے ذریعے سمندر پار بیٹھے دوستوں سے کئی کئی میسجز کا تبادلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اس صورتِ حال میں مختلف زبانوں کا آپس میں تبادلہ ہوتا ہے، مختلف ثقافتوں کو دیکھنے کا موقع ملتا ہے اور مختلف رسم و رواج سے واسطہ پڑتا ہے۔

قارئین! کیا یہ ہمارے لیے ممکن ہے کہ ہم یہ سمجھ سکیں کہ یہ انگریزی میں میسجز یا رومن اردو میں چیٹنگ کا عام ہو جانا یہ صرف واقعی اتفاقی چیز ہے یا یہ غیر محسوس طریقے سے ہم اپنی قومی زبان سے دور ہوتے جا رہے ہیں؟ اور کیا ہم اس تاریخی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں کہ جب عربوں اور مسلمانوں کی آدھی سے زیادہ دُنیا پر حکومت تھی تو انھوں نے اقوامِ عالم کے تمام علوم ترجموں کے ذریعے اپنی عربی زبان میں منتقل کروائے تھے اور آج سائنس اور ٹیکنالوجی میں جو مغرب کی بالادستی ہمیں نظر آتی ہے، اس کی بنیاد میں بھی مرکزی کردار اسی بات کا ہے کہ انھوں نے اپنی پیش رَو ترقی یافتہ قوم (مسلمانوں) کے عربی علوم اپنی انگریزی زبان میں تراجم کروائے اور پوری قوم کو اس کی تعلیم دی۔

دُنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے عقل مند ترین اذہان اس بات پر متفق ہیں کہ جب صرف چند سو افراد کو ترجمے کی خدمت پر لگا کر، سارے اہم علوم اپنی زبان میں منتقل کروا کر بیس کروڑ عوام کو بہ آسانی ذہن نشین کروائے جا سکتے ہیں تو پھر بیس کروڑ افراد کی صلاحیتوں کو ترقی کے لیے مقصود اصل علوم سیکھنے پر لگانے کے بجائے غیروں کی زبان سیکھنے پر لگانا پرلے درجے کی حماقت ہے، چناں چہ تمام ترقی یافتہ ممالک نے اسی گُر پر عمل بھی کیا ہے اور چند افراد کی صلاحیتوں کو ترجمے پر لگا کر پوری قوم کی صلاحیتوں کو ضائع ہونے سے بچا بھی لیا ہے۔

قارئین گرامی! ماہ نامہ فہم دین بھی ''یومِ دفاعِ پاکستان'' کے اس موقع پر بڑی عرق ریزی اور سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اپنے وطنِ عزیز پاکستان کے دفاع کو مزید مضبوط سے مضبوط تر بنانے اور اہلِ پاکستان کو ترقی کی شاہ راہ پر تیزی سے گامزن کرنے کا ایک ہی نسخہ ہے اور وہ ہے

اپنی قومی زبان اردو سے محبت کرنا اور اسے فروغ دینا

اسی وجہ سے ''یومِ دفاعِ پاکستان'' کے اس موقع پر ''ماہ نامہ فہمِ دین'' قومی شعور کی بیداری میں اپنے حصے کی شمع جلانے کے لیے یہ اعلان کرنا چاہ رہا ہے کہ ٹھیک پانچ ماہ بعد جنوری 2018 کا شمارہ

''قومی زبان۔۔۔اشاعتِ خاص''

ہوگا اور اتنا پہلے بتانے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس شمارے میں قومی زبان سے ''جذباتیت برائے جذباتیت'' کا اظہار نہیں، بل کہ علمی اور ادبی مگر سلیس اور عوامی اسلوب کے مضامین اور کہانیاں لگانا چاہتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ان شاء اللہ! اس شمارے کو باقی شماروں سے کہیں بڑھ کر پذیرائی ملے گی۔

میرے جو قلم کار بھائی بہن اس میں تحریر کے ذریعے عملی طور پر شرکت کرنا چاہیں، اُن کے لیے تو اہلا و سہلا مرحبا ہے ہی ہے، لیکن جو آرا و تجاویز کے ذریعے بھی شرکت کرنا چاہیں تو انتظامی صفحے پر موجود نمبرز پر میسجز اور واٹس اپ کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن

اٰل عمران: 41-46

قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّیۡۤ اٰیَۃً ؕ قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا ؕ
وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ کَثِیۡرًا وَّسَبِّحۡ بِالۡعَشِیِّ وَالۡاِبۡکَارِ 41

ترجمہ: انھوں نے کہا: ''پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دیجیے۔'' اللہ نے فرمایا: ''تمھاری نشانی یہ ہوگی کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا کوئی بات نہیں کر سکو گے اور اپنے رب کا کثرت سے ذکر کرتے رہو اور ڈھلے دن کے وقت بھی اور صبح سویرے بھی اللہ کی تسبیح کیا کرو۔'' 41

تشریح نمبر 1: حضرت زکریا علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسی نشانی معلوم ہو جائے، جس سے یہ پتا چل جائے کہ اب حمل قرار پا گیا ہے، تاکہ وہ اسی وقت سے شکر ادا کرنے میں لگ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نشانی بتلائی کہ جب حمل قرار پائے گا تو تم پر ایسی حالت طاری ہو جائے گی کہ تم اللہ کے ذکر اور تسبیح کے سوا کسی سے کوئی بات نہیں کر سکو گے اور بات کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اشاروں سے کرنی ہوگی۔

وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰکِ وَطَہَّرَکِ وَاصۡطَفٰکِ عَلٰی
نِسَآءِ الۡعٰلَمِیۡنَ 42

ترجمہ: اور (اب اس وقت تذکرہ سنو) جب فرشتوں نے کہا تھا کہ: ''اے مریم علیہا السلام! بے شک اللہ نے تمھیں چُن لیا ہے، تمھیں پاکیزگی عطا کی ہے اور دنیا جہاں کی ساری عورتوں میں تمھیں منتخب کر کے فضیلت بخشی ہے۔'' 42

یٰمَرۡیَمُ اقۡنُتِیۡ لِرَبِّکِ وَاسۡجُدِیۡ وَارۡکَعِیۡ مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ 43

ترجمہ: ''اے مریم علیہا السلام! تم اپنے رب کی عبادت میں لگی رہو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع بھی کیا کرو۔'' 43

ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہِ اِلَیۡکَ ؕ وَمَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ یُلۡقُوۡنَ
اَقۡلَامَہُمۡ اَیُّہُمۡ یَکۡفُلُ مَرۡیَمَ ۪ وَمَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ یَخۡتَصِمُوۡنَ 44

ترجمہ: (اے پیغمبر!) یہ سب غیب کی خبریں ہیں، جو ہم وحی کے ذریعے تمھیں دے رہے ہیں۔ تم اس وقت ان کے پاس نہیں تھے جب وہ یہ طے کرنے کے لیے اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم علیہا السلام کی کفالت کرے گا اور نہ اس وقت تم ان کے پاس تھے جب وہ (اس مسئلے میں) ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے تھے۔ 44

تشریح نمبر 2: جیسا کہ اوپر آیت نمبر 37 میں ذکر کیا گیا، حضرت مریم علیہا السلام کے والد کی وفات کے بعد ان کی کفالت کے بارے میں اختلافِ رائے ہوا تو اس کا فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے کیا گیا۔ اس زمانے میں قرعہ قلموں کے ذریعے ڈالا جاتا تھا، اس لیے یہاں قلم ڈالنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنۡہُ ٭ۖ اسۡمُہُ الۡمَسِیۡحُ
عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ وَجِیۡہًا فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ 45

ترجمہ: (وہ وقت بھی یاد کرو) جب فرشتوں نے مریم علیہا السلام سے کہا تھا کہ ''اے مریم علیہا السلام! اللہ تعالیٰ تمھیں اپنے ایک کلمے کی (پیدائش) کی خوش خبری دیتا ہے، جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ جو دنیا اور آخرت دونوں میں صاحبِ وجاہت ہوگا اور (اللہ کے) مقرب بندوں میں سے ہوگا۔ 5

تشریح نمبر 3: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہنے کی وجہ آیت 39 کی تشریح میں گزر چکی ہے۔ 45

وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَہۡدِ وَکَہۡلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ 46

ترجمہ: اور وہ گہوارے میں بھی لوگوں سے بات کرے گا اور بڑی عمر میں بھی اور راست باز لوگوں میں سے ہوگا۔'' 46

تشریح نمبر 4: اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی واضح کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزے کے طور پر اس وقت بات کرنے کی قدرت عطا فرمائی تھی، جب وہ دودھ پیتے بچے تھے۔ اس کا ذکر سورۂ مریم (آیت نمبر 29 تا 33) میں آیا ہے۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

فہمِ حدیث

مولانا محمد منظور نعمانیؒ

عَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللهِ ﷺ مَنۡ حَجَّ فَلَمۡ یَرۡفَثۡ وَلَمۡ یَفۡسُقۡ رَجَعَ کَیَوۡمٍ وَّلَدَتۡهُ اُمُّهٗ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی نے حج کیا اور اس میں نہ تو کسی شہوانی اور فحش بات کا ارتکاب کیا اور نہ اللہ کی کوئی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو کر واپس ہوگا جیسا اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

تشریح... قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: اَلۡحَجُّ اَشۡهُرٌ مَّعۡلُوۡمٰتٌ فَمَنۡ فَرَضَ فِیۡهِنَّ الۡحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوۡقَ وَلَا جِدَالَ فِی الۡحَجِّ۔ اس آیت میں حج کرنے والوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ خاص کر زمانۂ حج میں وہ شہوت کی باتوں اور اللہ کی نافرمانی والے سارے کاموں اور آپس کے جھگڑے بازی سے بچیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں اس ہدایت پر عمل کرنے والوں کو بشارت سنائی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو شخص حج کرے اور ایّامِ حج میں نہ تو شہوت کی باتیں کرے اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی کوئی ایسی حرکت کرے جو فسق کی حد میں آتی ہو تو حج کی برکت سے اس کے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور وہ گناہوں سے بالکل ایسا پاک و صاف ہو کر واپس ہوگا جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے دن بے گناہ تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ دولت نصیب فرمائے۔ آمین

عَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللهِ ﷺ اَلۡعُمۡرَةُ اِلَی الۡعُمۡرَةِ کَفَّارَةٌ لِّمَا بَیۡنَهُمَا وَالۡحَجُّ الۡمَبۡرُوۡرُ لَیۡسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الۡجَنَّةَ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کفارہ ہو جاتا ہے اس کے درمیان کے گناہوں کا اور "حجِ مبرور" (پاک اور مخلصانہ حج) کا بدلہ تو بس جنت ہے۔

عَنِ ابۡنِ مَسۡعُوۡدٍ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللهِ ﷺ تَابِعُوۡا بَیۡنَ الۡحَجِّ وَالۡعُمۡرَةِ فَاِنَّهُمَا یَنۡفِیَانِ الۡفَقۡرَ وَالذُّنُوۡبَ کَمَا یَنۡفِی الۡکِیۡرُ خَبَثَ الۡحَدِیۡدِ وَالذَّهَبِ وَالۡفِضَّةِ وَلَیۡسَ لِلۡحَجَّةِ الۡمَبۡرُوۡرَةِ ثَوَابٌ اِلَّا الۡجَنَّةُ (رواہ الترمذی و النسائی)

ترجمہ... حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ پے درپے کیا کرو حج اور عمرہ کیوں کہ حج اور عمرہ دونوں فقر و محتاجی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں، جس طرح لوہار اور سُنار کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کا میل کچیل دور کر دیتی ہے اور "حجِ مبرور" کا صلہ اور ثواب تو بس جنت ہی ہے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح... جو شخص اخلاص کے ساتھ حج یا عمرہ کرتا ہے گویا اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں غوطہ لگاتا اور غسل کرتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ گناہوں کے گندے اثرات سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور اس کے علاوہ دنیا میں بھی اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہوتا ہے کہ فقر و محتاجی اور پریشان حالی سے اس کو نجات مل جاتی ہے اور خوش حالی اور اطمینان قلب کی دولت نصیب ہو جاتی ہے اور مزید برآں "حجِ مبرور" کے صلہ میں جنت کا عطا ہونا اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے۔

عَنِ ابۡنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللهِ ﷺ اِذَا لَقِیۡتَ الۡحَاجَّ فَسَلِّمۡ عَلَیۡهِ وَصَافِحۡهُ وَمُرۡهُ اَنۡ یَّسۡتَغۡفِرَ لَكَ قَبۡلَ اَنۡ یَّدۡخُلَ بَیۡتَهٗ فَاِنَّهٗ مَغۡفُوۡرٌ لَّهٗ (رواہ احمد)

ترجمہ... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کسی حج کرنے والے سے تمہاری ملاقات ہو تو اس کے اپنے گھر میں پہنچنے سے پہلے اس کو سلام کرو اور مصافحہ کرو اور اس سے مغفرت کی دعا کے لیے کہو، کیوں کہ وہ اس حال میں ہے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ ہو چکا ہے (اس لیے اس کی دعا کے قبول ہونے کی خاص توقع ہے)۔

pg07
Burger-
Shack
2

مال کی محبت

حضرت مولانا عبدالستار حفظہُ اللہ

مال فتنہ بھی نعمت بھی: مال اللہ کی طرف سے عطا کردہ ایک نعمت بھی ہے، مال اللہ تعالیٰ کا فضل بھی ہے، مال کو قرآن نے حسنہ سے بھی تعبیر کیا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں حسنہ (اچھائی) عطا فرما۔ (سورۃ البقرۃ: 201) مال صحیح انداز میں حاصل اور خرچ کیا جائے تو حسنہ بھی بن سکتا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے: اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ (سورۃ الجمعہ: 10) تو مال ایک لحاظ سے فضل بھی بن سکتا ہے۔

مال خیر بھی ہے اور شر بھی ہے، چاہیں تو اس کو اپنے لیے نعمت بنا لیں، آخرت سنوارنے کا ذریعہ بنا لیں اور چاہیں تو اس مال کو فتنے کا ذریعہ بنا لیں۔ جیسا طرزِ عمل اختیار کریں گے، مال ویسی ہی صورت اختیار کرے گا، یہی مال سانپ بھی بن سکتا ہے اور نجات دہندہ بھی بن سکتا ہے۔

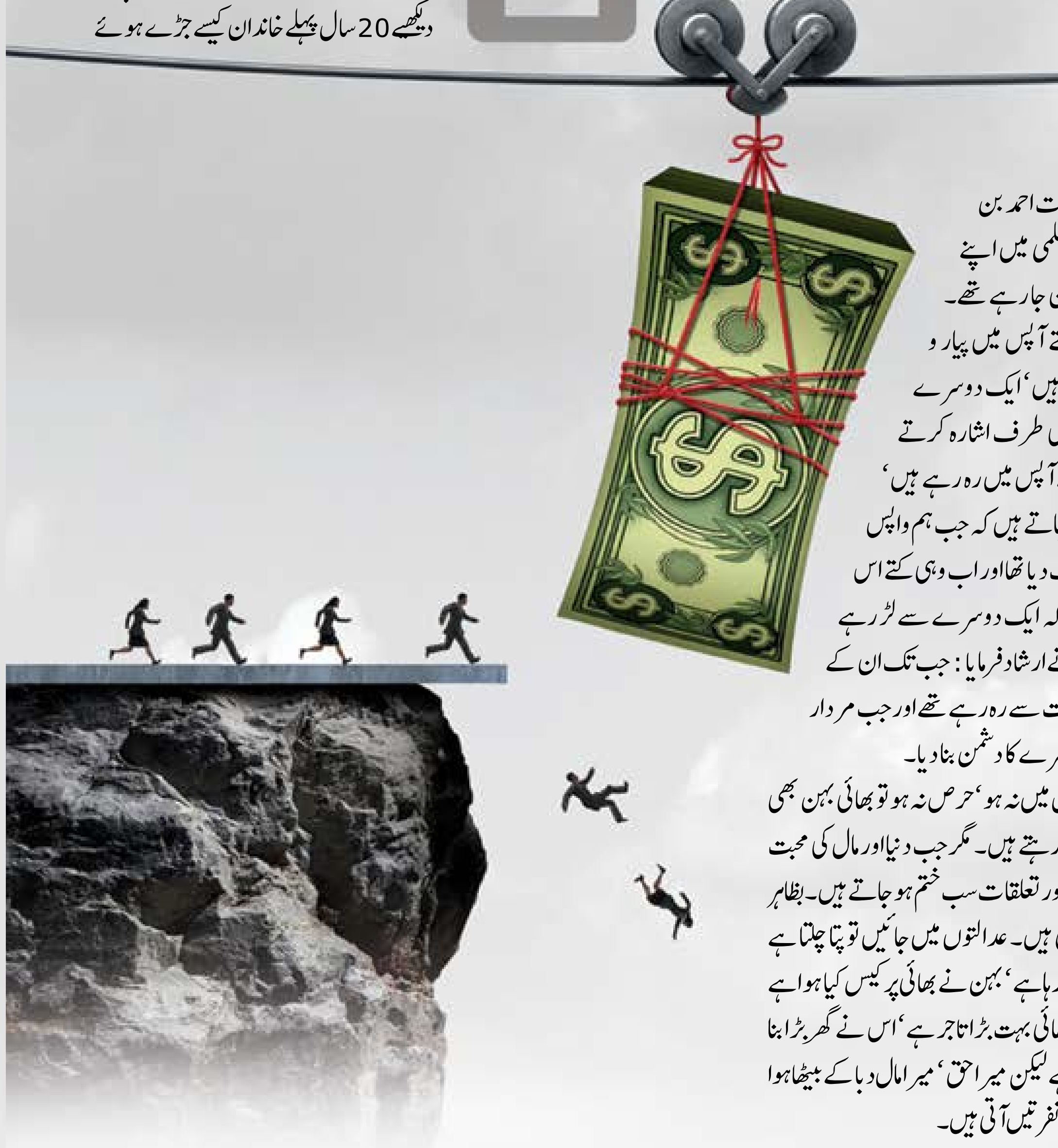

حضرت احمد بن عامر رحمہ اللہ کا واقعہ: حضرت احمد بن عامر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ طالب علمی میں اپنے استاذ کے ساتھ ایک میت دفن کرنے قبرستان جا رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ دیکھا کہ بہت سارے کتے آپس میں پیار و محبت سے کھیل رہے ہیں، اچھل کود کر رہے ہیں، ایک دوسرے سے چمٹ رہے ہیں، ہمارے استاذ نے کتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: انھیں دیکھو! کیسے اچھے اخلاق سے آپس میں رہ رہے ہیں، خوش و خرم، پیار و محبت کے ساتھ۔ حضرت فرماتے ہیں کہ جب ہم واپس آرہے تھے تو دیکھا کہ وہاں کسی نے مردار پھینک دیا تھا اور اب وہی کتے اس مردار کو کھانے میں اتنے حریص بن گئے تھے کہ ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے، ایک دوسرے کو کاٹ رہے تھے۔ استاذ نے ارشاد فرمایا: جب تک ان کے پاس مردار (دنیا) نہیں تھی، اس وقت تک محبت سے رہ رہے تھے اور جب مردار (دنیا) بیچ میں آگئی تو حرص نے ان کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا۔

فساد کی جڑ: اس دنیا (مردار) کی محبت دل میں نہ ہو، حرص نہ ہو تو بھائی بہن بھی اکٹھے، رشتہ دار بھی اکٹھے اور خاندان بھی اکٹھے رہتے ہیں۔ مگر جب دنیا اور مال کی محبت دل میں آجاتی ہے تو آپس کی محبت، رشتے داری اور تعلقات سب ختم ہو جاتے ہیں۔ بظاہر بڑی محبت ہوتی ہے مگر اندر نفرتیں بھری ہوتی ہیں۔ عدالتوں میں جائیں تو پتا چلتا ہے کہ بھائی آپس میں لڑ رہے ہیں، زمین پر کیس ہو رہا ہے، بہن نے بھائی پر کیس کیا ہوا ہے کہ وراثت میں بھائی نے میرا حصہ نہیں دیا۔ بھائی بہت بڑا تاجر ہے، اس نے گھر بڑا بنا لیا ہے، پیسے اکٹھے کر لیے ہیں، سب کچھ کر لیا ہے لیکن میرا حق، میرا مال دبا کے بیٹھا ہوا ہے تو یہ مال کی حرص اور محبت جب آتی ہے تو پھر نفرتیں آتی ہیں۔

پیارے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے تمہارے بارے میں یہ اندیشہ نہیں ہے کہ تم فقیر بن جاؤ گے (تم پر فقر آجائے گا) لیکن یہ اندیشہ ہے کہ تم پر دنیا کی وسعت ہو جائے گی، جیسے تم سے پہلے کی اقوام پر دنیا کی خوش حالی بڑھ گئی تھی (دولت بڑھ گئی تھی، دنیا کے وسائل بڑھ گئے تھے) تو پھر تم دولت کی حرص میں ایک دوسرے سے سبقت کرو گے جیسے انھوں سبقت کی تھی (اور جب ایسا کرو گے) تو یہ دنیا تمہیں بھی ہلاک کر دے گی جیسے تم سے پہلے والوں کو ہلاک کیا تھا۔“

ماضی کی صورت حال: تیس چالیس سال پہلے کی حالت کا تصور کریں، کیا مسلمانوں کے پاس اتنی دولت تھی؟ کیا ہمارے گھروں میں اتنا مال و دولت تھا؟ نہیں نا، لیکن آپ یہ دیکھیے 20 سال پہلے خاندان کیسے جڑے ہوئے تھے۔ بھائی بھائی کے لیے کس طرح جان دیا کرتا تھا۔ بہن بھائیوں میں کیسی سچی محبت تھی۔ آپس میں کیسی الفت تھی۔ کیسا ایک دوسرے سے پیار تھا۔ پورے کے پورے علاقے ایک کنبے کی مانند ہوا کرتے تھے۔ ایک گھرانے کی مانند ہوا کرتے تھے۔ ایک بستی کا آدمی دوسری بستی میں رہنے والے آدمی کو بھی جانتا تھا۔ آج دولت تو بہت ہے لیکن آپس میں وہ محبت، خلوص، ایثار اور پیار ختم ہو چکا ہے۔

حرص کی نحوست: جب انسان کے دل میں دنیا کی حرص آجاتی ہے تو وہ یہ سوچتا ہے کہ میرا پیٹ بھر جائے، میرے گھر میں دولت آجائے، میرا اسٹیٹس بہتر ہو جائے، میری اولاد کی تعلیم اچھی ہو جائے، اور اس کی ان کوششوں کی وجہ سے کسی دوسرے کی زندگی خراب ہوتی ہے تو ہو جائے، دوسروں کا گھر برباد ہوتا ہے تو ہو جائے، چاہے بھائی کا گھر ہی کیوں نہ ہو، چاہے بہن کا گھر ہی کیوں نہ ہو۔

ایک موقع پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”اگر بکریوں کے کسی ریوڑ میں دو بھیڑیے چھوڑ دیے جائیں تو وہ دو بھیڑیے بکریوں کے اس ریوڑ کا اتنا نقصان نہیں کریں گے جتنا انسانوں کے معاشرے میں مال و جاہ کی محبت نقصان کرے گی۔“ یہ دونوں چیزیں انسانی معاشرے کو تباہ کر دیتی ہیں۔

دو چیزیں: رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ”دو چیزوں سے لوگ نفرت کرتے ہیں۔ ایک موت سے حالاں کہ موت ان کے لیے بہت بہتر ہے۔ اس کی وجہ سے وہ مستقبل میں آنے والے بہت سارے فتنوں سے بچ جائیں گے اور دوسرا مال کی کمی سے کہ ہمارا مال اور دولت کبھی کم نہ ہو، بس بڑھتا ہی جائے۔“ جب کہ اسی بارے میں ایک اور جگہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ”مال کی کمی (قیامت کے دن) حساب کی کمی کا باعث ہے۔“ لیکن بات ہمیں کہاں سمجھ میں آتی ہے۔ یہ بات تو انھیں سمجھ میں آتی ہے جنہیں مرنے کا سو فیصد یقین ہوتا ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ یہاں سیٹ ہو جائیں وہاں کی بعد میں دیکھی جائے گی، یہاں کی خواہشات پوری ہونی چاہییں۔

حُبِّ مال سے بچاؤ کی تدابیر

پہلی تدبیر: حُبِّ مال کے فتنے سے بچاؤ کے لیے پہلی چیز یہ ہے کہ انسان مال و دولت کمانے میں ایسا مشغول نہ ہو جائے کہ اللہ کی یاد سے ہی غافل ہو جائے، اللہ کو ہی بھول جائے، اسے اللہ ہی یاد نہ رہے۔ دینی فرائض ادا کرنے کے لیے فرصت نہیں ہے، تلاوتِ قرآن سیکھنے کے لیے فرصت نہیں ہے، اللہ کو یاد کرنے کی فرصت نہیں ہے۔ اس کی نحوست سے بھی یہ مال فتنہ بنتا ہے۔

دوسری تدبیر: مال میں اللہ تعالیٰ کا جو حق بنتا ہے، وہ ادا کیا جائے۔ مال میں مخلوق کا بھی حق ہے، خالق کا بھی حق ہے، جب ادائیگی میں کوتاہی اور سستی ہوگی تو یہ مال وبال بنے گا، فتنہ بنے گا، نعمت نہیں بنے گا۔

تیسری تدبیر: جب مال تمہیں مل رہا ہو تو قارون کی زبان نہ بولا کرو کہ یہ تو میرا کمال ہے، میری اپنی محنت ہے۔ قارون کے پاس جب خوب دولت جمع ہو گئی تو کہنے لگا کہ ”یہ مال تو مجھے اپنے ایک ہنر (کے ذریعے) سے ملا ہے جو میرے پاس ہے۔“ یہ قارون کی زبان ہے کہنے لگا کہ مجھے مال ملا ہے اس لیے کہ میری اپنی ڈگریاں بہت ہیں، علم بہت ہے میرے پاس، میں نے بڑی محنت کی ہے، بہت پڑھا ہے جس کی وجہ سے میں نے مال کمایا ہے، بل کہ یہ کہے اور دل سے کہے کہ یہ خاص میرے اللہ کا فضل ہے، اگر وہ نہ چاہتا تو میں بھی سڑکوں پر جوتیاں چٹخاتا پھرتا اور بھکاری بن کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا۔ مجھ میں کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے ہوئے ہیں اور بھی بہت سے لوگ عقل والے ہیں، ہاتھ پاؤں والے ہیں، زبان والے ہیں لیکن بھیک مانگ رہے ہیں۔ مجھے اللہ رب العزت نے جو اس ندامت سے، اس شرمندگی سے بچایا ہے اور گھر بیٹھے عزت کا کھانا، عزت کا لباس اور عزت کا کاروبار عطا فرمایا ہے۔ میری ماں، بہن، بیٹیاں عزت سے کھا پی رہی ہیں یہ خاص اللہ کا فضل ہے۔ یہ بات دل سے کہے اور جب دل کہے گا تو ان شاء اللہ جسم کو رب کے سامنے جھکنے کی توفیق بھی ہو جائے گی۔

اپنی قابلیت پر غرور نہ کیجیے: تو خلاصہ یہ ہے کہ قارون کی زبان اختیار نہ کی جائے کتنے ہیں جو بہت ذہین، فطین، سمجھ دار اور زبردست ڈگریاں رکھنے والے کنگلے ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو انگوٹھا چھاپ ہیں، جنہیں قلم سے لکھنا بھی نہیں آتا، لیکن ان کے پاس بہت دولت ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اس لیے جو کچھ اللہ دے رہا ہے، کھلا رہا ہے، پلا رہا ہے، رہائش دے رکھی ہے، کاروبار اور روزگار کے مواقع فراہم کر رکھے ہیں، ان سب پر دل سے کہے کہ اللہ یہ سب تیرا فضل ہے، تیرا احسان ہے، تیرا اکرم ہے مجھ پر۔ اللہ کے اس انعام کا انکار نہ کریں، ورنہ یہ مال وبال بن جائے گا۔

چوتھی تدبیر: مال اس وقت وبال بنتا ہے کہ جب بندہ سارا وقت مال کمانے میں لگاتا ہے یہ تو ٹھیک ہے کہ کچھ وقت مال کمائے، کاروبار کرے۔ 8 گھنٹے، 12 گھنٹے ٹھیک ہے، لیکن یہ نہیں کہ 12 گھنٹے وہاں لگا کر آئے اور باقی 12 گھنٹے گھر کے اندر بھی اسی میں لگے ہوئے ہیں۔ نہ بچوں کے حق کا خیال، نہ بیوی کے حق کا خیال، نہ اپنے جسم کے حق کا خیال، نہ خدا کے حق کا خیال اور نہ ہی عبادت کا خیال ہر چیز کی تقسیم ہونی چاہیے، ایک منظّم اور مرتّب انداز میں کام ہونا چاہیے۔

پانچویں تدبیر: مال کے اندر قناعت اختیار کرے۔ قناعت کا مطلب یہ ہے اللہ پاک نے جتنا رزق سہولت کے ساتھ حلال ذریعے سے دے دیا ہے اسے ہی کافی سمجھے اور دل و جان سے اس پر راضی ہو جائے۔ اگر یہ کریں گے تو تب یہ مال وبال نہیں بنے گا، فتنہ نہیں بنے گا بل کہ نعمت بنے گا۔

چھٹی تدبیر: مال کماتے ہوئے اپنی نیت ٹھیک کرے کہ مال اس لیے کما رہا ہوں کہ اللہ اور اللہ کی مخلوق کے حقوق ادا کر سکوں۔ بیوی بچوں کے میرے اوپر جو حقوق ہیں، میری ذات کے مجھ پر جو حقوق ہیں، اللہ پاک کے جو حقوق ہیں، ان حقوق کی ادائیگی کے لیے مال کما رہا ہوں۔ صحیح نیت سے کمائے کہ اللہ کے دین پر خرچ کروں گا۔ صحیح نیت کریں گے تو پھر یہ مال نعمت بن جائے گا، فضل بن جائے گا، عبادت بن جائے گا۔ اگر اس طریقے سے اہتمام ہوگا تو ان شاء اللہ مال کے فتنے سے حفاظت ہوگی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مال و دولت حلال طریقے سے کمائے، حلال جگہ پر خرچ کرے، اللہ اور اللہ کی مخلوق کے حقوق ادا کرے، اوقاتِ عبادت الگ کرے، نیت ٹھیک کرے تو پھر یہ مال نعمت بنے گا، اللہ کا فضل بنے گا، آخرت سنوارنے کا ذریعہ بنے گا (انشاء اللہ) اس لیے کہ مال اپنی ذات میں بری چیز نہیں ہے، بل کہ ہر شخص کا طرزِ عمل اور استعمال اسے اچھا یا برا بنا دیتا ہے۔ اگر طرزِ عمل اور استعمال ٹھیک ہو تو مال اللہ کی نعمت ہے اور اگر طرزِ عمل اور استعمال ٹھیک نہیں ہے تو یہ مال باعثِ زحمت ہے۔

"ابّا مجھے بڑا آدمی بننا ہے' بہت بڑا' بہت پیسہ کمانا ہے' بہت شہرت و نام کمانا ہے اور بڑی کامیابی چاہیے۔"
MBBS کے آخری سال کے طالب علم اسلم نے اپنے اَن پڑھ باپ سے کہا۔
"نہ بیٹا نہ' ایسا نہیں کہتے۔ بھلا پیسوں' شہرت اور ڈگری کا بڑے آدمی بننے سے کیا تعلق؟" بوڑھے باپ نے سوال کیا۔
"دیکھ بیٹا اسلم! یہ زندگی کا سفر ہے نا! یہ بشر سے انسان کی طرف چلتا ہے' پھر انسان سے بندہ بنتا ہے اور پھر بندے سے کام یاب آدمی اور ایسا آدمی بڑا ہوتا ہے۔"
"ابّا کچھ سمجھ نہیں آیا۔" اسلم نے کھوئی کھوئی آنکھوں سے پوچھا۔
"بیٹا! بشر وہ ہے جس میں علم حاصل کرنے کی جستجو ہے (جانوروں میں نہیں ہوتی) 'جو علم سیکھ لے وہ انسان ہو جاتا ہے (اور علم وہ جو اخلاقی اقدار سکھائے)'

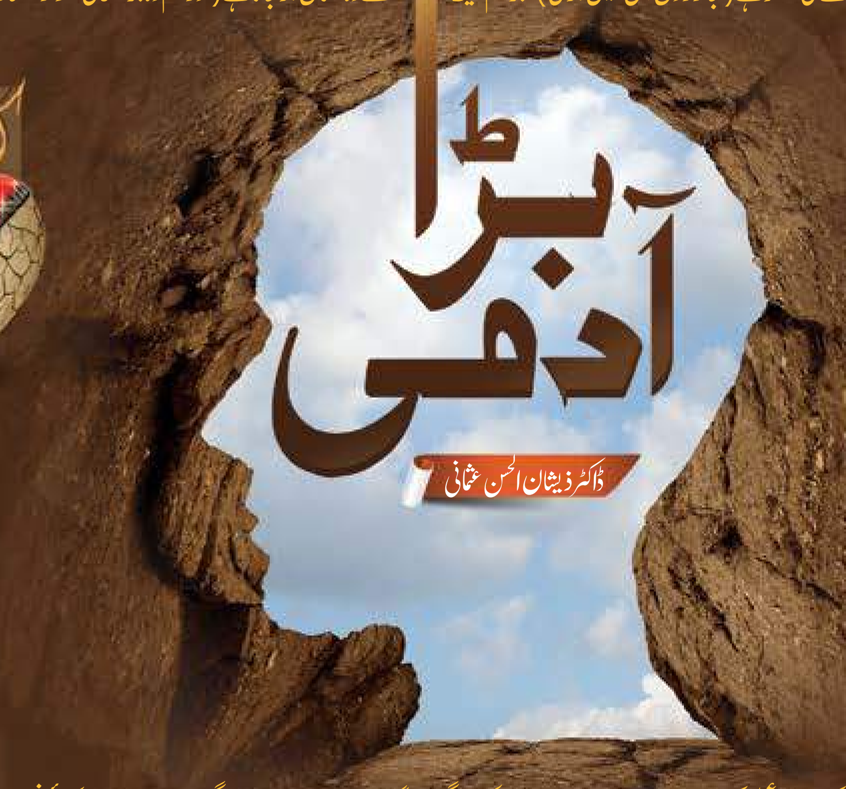

بڑا آدمی

ڈاکٹر ذیشان الحسن عثمانی

پھر جو اس علم کو سیکھ کر اس پر عمل کر لے وہ بندہ بن جاتا ہے اور رب کی بندگی میں لگ جاتا ہے' بے شک بندگی سے بڑی سند اور کوئی نہیں اور جس کی یہ بندگی قبول ہو جائے وہ ہوتا ہے کامیاب اور بڑا آدمی۔
حشر میں اللہ آپ کو دیکھ کر مسکرائے اور آپ اللہ کو دیکھ کر! یہ ہوتی ہے اصل کامیابی اور ایسی کہ جس پر فخر کیا جا سکے۔ آدمی جب بڑا ہوتا ہے تو دنیا چھوٹی ہو جاتی ہے۔"
اسلم نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے باپ کی بات کو بیچ میں سے کاٹا:
"ابّا تو چھوڑ ان فالتو باتوں کو' میں ڈاکٹر بن کے ڈھیر سارا پیسہ کماؤں گا' اس پیشے میں بہت منافع ہے' پھر تجھے یہ دوپٹے رنگنے کا کام نہیں کرنا پڑے گا۔"
"نہ بیٹا نہ! ڈاکٹری پیشہ نہیں' خدمت ہے اور خدمت میں نظر معاوضہ پر نہیں ہوتی۔ بندہ تو بس اپنی سی کوشش کر کے اپنے آپ کو باری تعالیٰ کے حضور پیش ہی کر سکتا ہے۔ چناؤ تو وہاں سے ہوتا ہے۔ اللہ بڑا قدر دان ہے۔ اس کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرو تو وہ اور نوازے گا۔
بیٹا تو بس دعا مانگنا سیکھ لے' دعا پکار کو کہتے ہیں' ایک دہائی ہے' نام جپنا ہے اور دعا کے اول و آخر میں شکر ملا لے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ شکر گزار کو سزا نہیں دیتے' بل کہ نواز دیتے ہیں۔"
اسلم نے پھر بات اچک لی: "ابّا اس دنیا کو تو میں اپنے پاؤں تلے روند کے دکھاؤں گا'
میرے میں صلاحیتیں ہیں' عقل ہے' جنون ہے' کچھ کر دکھانے کی لگن ہے' سب سے آگے نکل جانے کا جذبہ ہے' ایک ویژن ہے' نظم و ضبط ہے' حاضر جوابی ہے۔"
"نہ بیٹا نہ' حاضر جواب لوگ تو بے وقوف ہوتے ہیں' جسے اللہ کا ڈر ہو' وہ بھلا حاضر جواب کیسے ہو سکتا ہے؟
وہ تو کئی بار سوچے گا بولنے سے پہلے اور یہ جو دنیا ہے یہ کسی کی نہ ہوئی اور کسی سے نہ روندی گئی' یہ تو ایک آزمائش ہے۔
کسی بزرگ نے دنیا کو خواب میں دیکھا تو وہ کنواری لڑکی کی شکل میں نظر آئی۔ انھوں نے تعجب سے پوچھا: تو ابھی تک کنواری ہی ہے؟
دنیا نے ہنس کے جواب دیا: جو مرد تھے' انھوں نے مجھے ہاتھ تک نہ لگایا اور جو مرد نہ تھے وہ کوششوں میں لگے رہے۔"
اسلم پر ان باتوں کا کیا اثر ہوتا۔ زندگی کے اگلے 30 سال وہ اپنے کہے کو سچ ثابت کرنے میں جتا رہا اور بوڑھا باپ دوپٹے رنگتا رہا۔
آج بوڑھے باپ کا آخری وقت ہے۔ اسلم سرہانے بیٹھا ہے۔ کہنے لگا:
"ابّا سب کچھ ہے میرے پاس' مگر دل کا چین اور روح کا سکون نہیں ہے' پتا نہیں کہاں چوک ہو گئی ہے؟"
"کہیں نہیں بیٹا! بس تیرے رنگ بکھر گئے ہیں۔ کبھی کپڑا بننے سے پہلے بھی کوئی رنگ چڑھتا ہے؟
رنگ تو بندے پر چڑھتا ہے' جب بندگی کی بناوٹ پوری ہو جائے' پھر جو چاہو رنگ چڑھا دو' ورنہ سب برباد ہو جاتا ہے۔
بیٹا ایک آخری بات سن لے:
"بڑا آدمی وہ ہوتا ہے جسے پتا ہو کہ وہ سب سے چھوٹا ہے۔"

pg11

Shangrilla

3

قابل اقتدا ہستیاں

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ

محمد حذیفہ رفیق

شیخ الاسلام ' امام الحفّاظ ' سید العلما سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور محدّث تھے۔ اپنے زمانے میں چند ایک اتقیا اور اولیا میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔

آپ کے زمانے کے بڑے بڑے علما آپ کے ثنا خواں تھے ' امام شعبہ ' سفیان بن عیینہ ' ابو عاصم ' یحیٰی بن معین رحمۃ اللہ علیہم ' یہ سب اُس زمانے میں اکابر علما اور کبار محدّثین میں شمار ہوتے تھے اور ان سب کا یہ مشترکہ قول تھا کہ
"سفیانؒ ثوری امیر المؤمنین فی الحدیث ہے۔ (یعنی علم حدیث میں وہ کل مسلمین کے مسلم امام اور قائد ہیں)۔"

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : "میں گیارہ سو شیوخ اور اساتذۂ حدیث سے ملا ہوں اور میں نے ان سے حدیث پڑھی ہے ' ان سب میں سفیان سے بہتر کوئی نہیں تھا۔" اور ایک دفعہ فرمانے لگے : "جب کبھی میرے سامنے کسی کی تعریف کی گئی اور پھر میں نے اسے دیکھا اور اس سے ملا تو ہمیشہ میں نے اس شخص کو جیسی تعریف کی گئی تھی اس سے کم درجہ کا پایا ' سوائے سفیان ثوریؒ کے (کہ ان کے بارے میں جیسا سنا تھا ' اُن کو ویسا ہی پایا)۔"

ان کے ایک استاذ تھے سلیمان اعمشؒ ' اس زمانے میں ایک محدّث کو لاکھوں کی تعداد میں احادیث یاد ہوتی تھیں ' اس لیے بعض دفعہ یہ بھی ہوتا کہ محدّث کوئی حدیث بیان کرتا تھا اور پھر دس ' پندرہ سال کے بعد اُسے یاد نہیں ہوتا تھا کہ یہ حدیث میں نے بیان کی تھی یا نہیں۔

اس تمہید کے بعد ایک محدّث کا قول نقل کرتا ہوں ' جن کا نام ہے یحیٰی بن سعید ' وہ فرماتے ہیں کہ "امام اعمشؒ کی حدیث کو سفیان اتنا جانتے ہیں ' جتنا اعمشؒ خود بھی نہیں جانتے۔" پچھلی بات ذہن میں رکھ اس کا مطلب سمجھنا آسان ہو گا۔ یعنی ان کا حافظہ بہت تیز تھا۔

ایک بہت بڑے عابد و زاہد بزرگ گزرے ہیں بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ ' وہ فرماتے ہیں : "سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں ایسا مرتبہ رکھتے ہیں ' جیسا ابو بکرؓ اور عمرؓ اپنے زمانے میں رکھتے تھے۔"

ایک بات کرتا چلوں کہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ بہت عابد اور زاہد آدمی تھے ' جلدی کسی سے متاثر نہیں ہوتے اور نہ زیادہ کسی کی تعریف کرتے تھے ' سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان کا یہ قول بہت اہمیت کا حامل ہے اور واقعی سفیان رحمۃ اللہ علیہ آدمی ہی ایسے تھے (جیسا کہ آگے چل کر مزید واضح ہو جائے گا)۔

شعیب بن حرب فرماتے ہیں : "مجھے تو یوں لگتا ہے کہ کل قیامت کو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو کھڑا کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان کو بطور حجت لوگوں کے آگے پیش کریں گے اور فرمائیں گے : لَمۡ تُدۡرِکوا نبیَّکم، قدرأیتُم سفیان کہ "تم نے اپنے نبی کو تو نہیں دیکھا تھا ' مگر سفیان کو تو دیکھا تھا (پھر کیوں دین پر نہیں چلے)۔"

یہ کوئی یقینی بات نہیں کہ قیامت کے دن ایسا ہو گا ' لیکن امّت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے چند لوگ ایسے ہوتے ہیں ' جن کو دیکھ کر اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر انسان کے قلب میں اللہ کی محبت اور عبادت اور تقوٰی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا قول سے یہ پتا چلتا ہے کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے علما اُن کو ایسا ہی سمجھتے تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص سے کہنے لگے : "جانتے ہو امت کا امام کون ہے؟ اس امت کے امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں ' میرے نزدیک ان سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔" زائدہ (ایک بڑے محدّث ہیں) فرماتے ہیں : "سفیان رحمۃ اللہ علیہ دنیا کے سب سے بڑے فقیہ ہیں۔" امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : "اگر مجھ سے یہ کہا جائے کہ اس امت کے لیے ایسا آدمی اختیار کرو ' جو اس امت میں قرآن و سنت کو زندہ کرے تو میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو اختیار کروں گا۔"

ابراہیم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ' میں نے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا : "آپ نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جیسا شخص دیکھا ہے؟" انھوں نے جواب میں کہا : "کیا سفیان نے بھی اپنے جیسا آدمی دیکھا؟" ابو اسامہ کہتے ہیں : "جو تمھیں کہے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے سفیان کی نظیر دیکھی ہے تو اُس کی بات نہ ماننا۔" یہ علما اور محدّثین کے چند اقوال ہیں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جس سے ان کے مرتبہ اور مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔

اگلے باب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اور ان کے زریں اقوال درج کیے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو میرے لیے آسان فرمائے۔۔۔۔ آمین

جب آپ علم حاصل کرنے کے لیے نکل رہے تھے تو آپ کی والدہ نے کہا تھا : "بیٹا! علما کی مجلس میں جا کر علم حاصل کرو اور ان سے احادیث لکھو۔" (اُس زمانے میں بنیادی علم یہی ہوا کرتا تھا کہ محدّثین کی مجالس میں بیٹھ کر احادیثِ رسول ﷺ لکھی اور لکھوائی جاتی تھیں۔) پھر ان کی والدہ نے کہا : "بیٹا! جب تم دس احادیث لکھ لو ' تو غور کرنا ' کیا تمھارے اندر کچھ تبدیلی آئی؟ تمھارے دل پر ان احادیث کا کچھ اثر پڑا؟! اگر کچھ اثر محسوس ہو تو بہت اچھا ہے ' پھر تم علم میں آگے بڑھنا اور مزید علم حاصل کرنا ' ورنہ تھکنے کی ضرورت نہیں۔"

آفرین ہے ان ماؤں کو جو اپنے بچوں کو آدابِ علم سکھلاتی تھیں ' اس زمانے کی عورتیں بھی اس بات کو سمجھتی تھیں کہ علم کا ایک اثر ہے ' اگر وہ اثر نظر نہیں آ رہا تو علم بے نور ہے ' جو نفع کی جگہ بعض دفعہ نقصان پہنچاتا ہے۔

ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں : "سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ مسجد حرام میں تھے ' مغرب کے بعد نماز کی نیت باندھی ' سجدے میں گئے ' میں دیکھتا رہا ' حضرت نے اتنا لمبا سجدہ کیا کہ عشاء کی اذان پر سر اٹھایا۔"

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے علی بن فضیل کہتے ہیں : "میں طواف کر رہا تھا اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھ رہے تھے ' میں نے سات طواف پورے کیے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سجدہ ختم نہیں ہوا تھا۔"

بعض اوقات رات کو اٹھ جاتے تھے اور کہتے تھے : "آہ! جہنم کے عذاب اور اللہ کے خوف نے مجھے شہوتوں اور خواہشات سے یہاں تک کہ سونے سے محروم کر دیا ہے۔" ابن مہدی کہتے ہیں : "سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ قرآن پڑھتے ہوئے اتنا روتے تھے کہ سننے والا اُن کی تلاوت نہیں سُن سکتا تھا (رونے کی آواز سے تلاوت کی آواز دب جاتی تھی)۔"

اولیاء اللہ پر حالات بھی زیادہ آتے ہیں ' یہ اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے کہ اپنے نیک بندوں کو اللہ تعالیٰ پرکھتا ہے اور ان کا امتحان لیتا ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ مکہ میں تھے۔ کوفہ سے ان کا ایک ساتھی ابو شہاب مکہ جا رہا تھا ' اس نے اِن کے گھر والوں سے پوچھا کہ "سفیان کو کچھ بھجوانا ہے تو دے دیں!" اُن کی بہن نے کچھ روٹیاں بنا کر دے دیں۔ (اس زمانے میں خاص روٹیاں بنتی تھیں ' اس میں شیرہ ' بادام ' پستہ وغیرہ ڈال کر اُس کو پکاتے تھے ' اُسے خشک نان کہتے تھے)

ابو شہاب جب مکہ پہنچے تو لوگوں سے پوچھا : "سفیان کہاں ہے؟" بتایا گیا : "فلاں دروازے کے قریب ہوں گے۔" یہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ آنکھیں بند کیے ہوئے نیم دراز ہیں۔ انھوں نے سلام کیا اور حال احوال پوچھے ' وہ کوفہ سے آئے تھے امید تھی کہ سفیان گھل مل کر باتیں کریں گے ' پرانی یادیں تازہ ہو جائیں گی ' لیکن سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے سادا سا جواب دے کر دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ پھر انھوں نے کہا : "سفیان! تمھاری ہمشیرہ نے تمھارے لیے خشک نان بھجوائے ہیں۔"

یہ سنتے ہی وہ فوراً اُٹھ کر بیٹھ گئے ' کہنے لگے : "کہاں ہیں؟ نکالو۔" ابو شہاب کہتے ہیں : میں نے نکال کر دے دیے ' پھر جب وہ کھانے لگے ' میں نے کہا : "سفیان! تم تو اب ہم سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے؟؟" سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے : "بھئی مجھے معاف کر دو ' بات دراصل یہ ہے کہ تین دن ہو گئے ' میں نے کچھ نہیں کھایا۔" وہ کہتے ہیں : "یہ سُن کر مجھے اُن پر ترس آنے لگا!"

خوفِ خدا بہت غالب تھا ' اس کی وجہ سے بعض دفعہ پیشاب میں خون آتا تھا۔ ایک دفعہ ساری رات روتے ہوئے گزار دی ' اُن سے پوچھا گیا تو کہنے لگے : "مجھے گناہوں کا ڈر نہیں۔" اور زمین سے ایک تِنکا اُٹھا کر فرمایا : "میرے گناہ تو اس سے بھی معمولی ہیں ' لیکن مجھے تو ایمان سلب ہو جانے کا خوف ہے۔" ابن مہدی کہتے ہیں : "آپ پر ایسے خوف طاری ہوتا تھا ' جیسے آپ حساب کے لیے کھڑے کر دیے گئے ہیں۔"

آخری عمر میں طبیعت بہت خراب ہو گئی ' ان کا پیشاب حکیم کے پاس لے جایا گیا ' اس نے کہا : "لگتا ہے یہ کسی راہب کا پیشاب ہے ' جو دنیا سے کنارہ کش ہو چکا ہو۔" اور کہا : "اس آدمی کو ایسے غم لگا ہوا ہے کہ اُس کا دل پاش پاش ہو چکا ہے ' اب اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔" موت تک آپ پر بہت خوف طاری تھا اور موت کے وقت چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی تھی۔ مصعب بن مقدام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں : "میں نے خواب میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ آپ نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑا ہوا ہے اور آپ ان کی تعریف کر رہے ہیں۔"

اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

نیا اسلامی سال شروع ہو چکا ہے۔اپنی عمر کے قیمتی لمحات کے بارے میں کچھ غور و فکر کریں‘انسان کو اپنی زندگی کے بارے میں سوچنا چاہیے کہ یہ کدھر جا رہی ہے؟ یہ قدم جنت کی طرف اٹھ رہے ہیں یا جہنم کی طرف؟ جن کے دل میں کچھ فکر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کس مقصد کے لیے بھیجا ہے؟ وہ اپنے مقصدِ زندگی کو نہیں بھولتے۔سوچتے ہیں کہ مالک کی رضا کس میں ہے؟ کیا کرنا چاہیے؟اور آخرت جو صحیح معنوں میں وطن ہے وہ بگڑ رہی ہے یا سنور رہی ہے؟ یہ فکر ہر انسان کو ہونی چاہیے‘اپنی زندگی کا حساب و کتاب کیا جائے کہ گذرے ہوئے سال میں کیا کمایا کیا گنوایا؟ایک سال کی مدت بہت طویل ہوتی ہے‘سارے تغیرات اور موسم سب کچھ ایک سال میں گذر جاتا ہے‘کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔سال میں چاند اور ستاروں کے علاوہ‘آفتاب بھی اپنی گردش پوری کرلیتا ہے‘بہر حال ایک سال میں ہر قسم کی گردش مکمل ہو جاتی ہے۔۔مختلف سمتوں سے مختلف قسم کی ہواؤں کا دور‘ہر قسم کی بناتات کی پیدائش‘تمام کائنات میں مزاجوں کے تغیرات اور ہر جان دار مخلوق کے انقلابات کا دور ایک سال میں پورا ہو جاتا ہے‘اسی لیے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ایک سال کے بعد اس کی سال گرہ مناتے ہیں‘پھر دوسرے سال پھر سال گرہ‘اسی طرح ہر سال‘سالگرہ مناتے رہتے ہیں۔سال گرہ منانا ہے تو بہت بری بات‘مگر اس سے کچھ سبق تو حاصل کیا کریں کہ سال گرہ منانے والوں کا نظریہ کیا ہے؟وہ کیوں مناتے ہیں؟ اس لیے کہ سال کی مدت بہت طویل مدت ہے‘بچہ ایک سال گزرنے کے بعد ابھی تک موجود ہے‘مرا نہیں‘اس پر خوشی مناؤ...‘حالاں کہ جس نے نعمتیں عطا فرمائیں‘اس کو خوش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے‘مگر کرتے ہیں الٹا کام کہ اس کو ناراض کرتے ہیں۔بس جہاں محرم کا مہینہ شروع ہوا تو سمجھ لیں کہ نیا سال شروع ہو گیا۔سوچیں اور غور و فکر کریں کہ گزشتہ محرم سے لے کر اس محرم تک پورا ایک سال گزر گیا‘مگر آخرت کے لحاظ سے گزشتہ محرم میں جہاں تھے‘اب بھی وہیں ہیں یا ایک آدھ قدم آگے بھی بڑھے ہیں؟اگر سارا سال گزر گیا‘مگر حالت میں ذرہ برابر بھی انقلاب نہیں آیا تو کتنے بڑے خسارے کی بات ہے۔کوئی شخص کمانے کے لیے بیرون ملک گیا۔جتنی پونجی لے گیا تھا‘سال گزرنے کے بعد وہیں کا وہیں ہے‘کچھ بھی نہیں کمایا تو کتنی محرومی اور بد نصیبی کی بات ہے۔سوچیں کہ گزشتہ سال میں کتنے لوگ زندہ تھے اور اب کتنے لوگ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔اس طرح سب کو ایک دِن اس دُنیا سے جانا ہے۔ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔اس سال جب محرم کا چاند نکلا‘اس وقت تو اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہوئی‘لیکن جب کسی تحریر پر نیا ہجری سال لکھتا ہوں تو بڑی شدت سے احساس ہوتا ہے کہ کل تک تو اس پر گزشتہ سال لکھا کرتا تھا اور آج نیا سال شروع ہو گیا ہے۔یہ دیکھ کر دِل دہل جاتا ہے‘جسم پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے لیے قلم ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ تین چار سال تک یہی حالت رہی کہ سال گزر گیا اور ہماری حالت کا کیا کچھ بنا یا نہیں بنا؟ پھر الحمد للہ! یہ سوچ یہیں تک محدود نہیں‘خیال ہوا کہ 1438ھ سے پہلے 1338ھ میں کیا ہوا؟اور 1238ھ میں کیا؟ایک سال کیا یہاں تو صدیاں گزر گئیں۔زمانہ کس تیز رفتاری سے گزرتا جا رہا ہے‘مگر غفلت کی آنکھیں بیدار نہیں ہوتیں۔سوچیں اپنے ابا‘دادا‘پردادا کو کہ اُن کی پیدائش کے وقت اُن کے والدین اور رشتہ دار خوشیاں منا رہے تھے اور سالوں پر گرہیں لگاتے تھے‘مگر ساری گرہیں ٹوٹ گئیں۔کوئی رہی نہیں اور سب اس دُنیا سے چلے گئے۔آپ بھی ہزاروں سالگرہیں منالیں‘کوئی رہے گی نہیں۔سب ٹوٹ جائیں گے۔اسی طرح شادیوں کا نتیجہ آخر میں کیا ہے؟اگر آخرت کو نہیں بنایا تو یہ دُنیا کی سب شادیاں مہنگی پڑیں اور برباد ہو گئیں۔کہاں گئیں یہاں کی شادیاں؟جب اولاد کی شادی ہو تو سوچنا چاہیے کہ کسی روز ہماری بھی شادی ہوئی تھی۔میں تو اپنی شادی تک ہی نہیں‘حضرت آدمؑ کی شادی تک سوچتا ہوں کہ کسی روز اُن کی بھی شادی ہوئی تھی۔

گزر گئی گزران‘کیا جھونپڑی‘کیا میدان

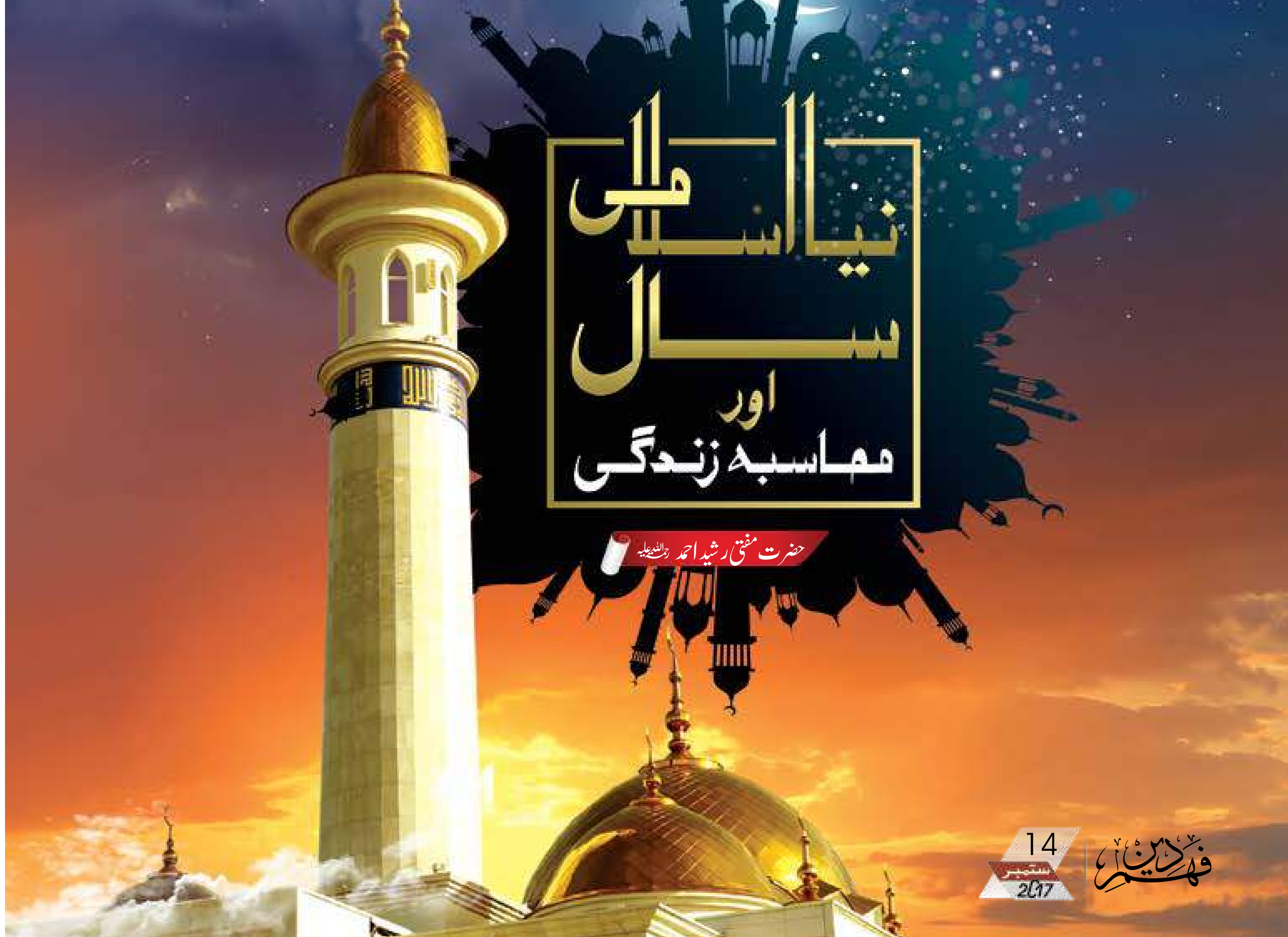

نیا اسلامی سال اور محاسبہ زندگی

حضرت مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ

pg15

New Zaiby

4

اہلِ ایمان کی قربانیاں

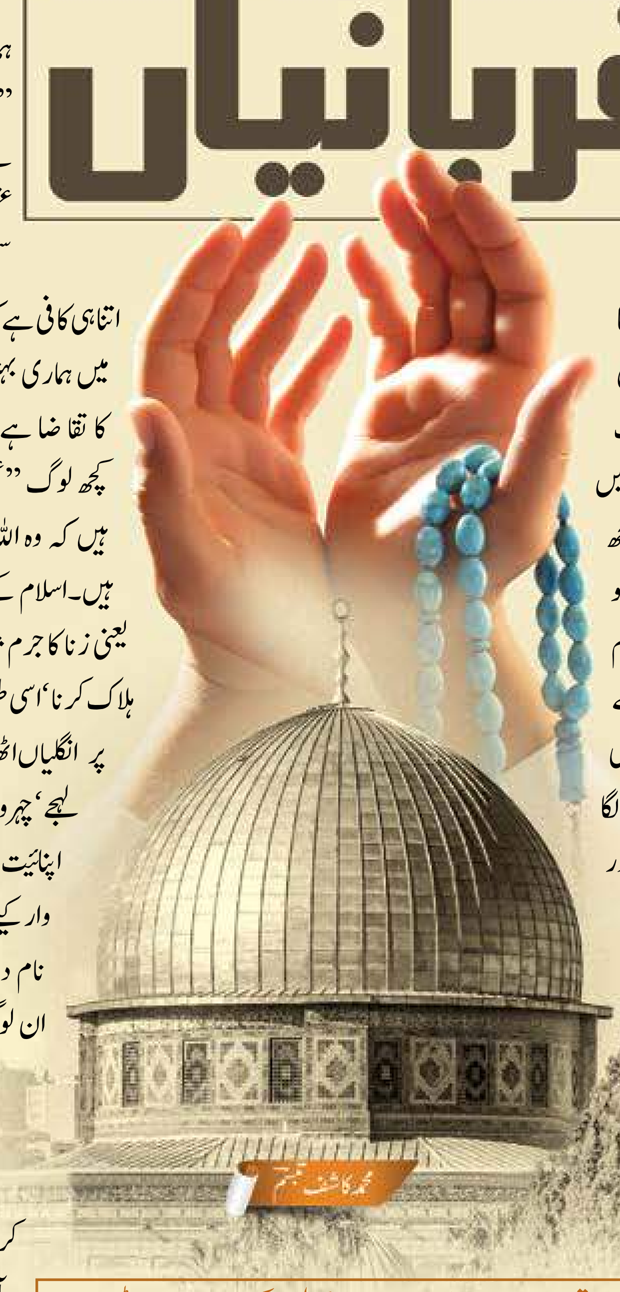

محمد کاشف نجم

اہلِ ایمان کا "جذبۂ قربانی" آج بھی سلامت ہے۔ قرآن کریم آج بھی حضراتِ انبیا کرام علیہم السلام کی قربانی کے واقعات بیان کرتا ہے۔ جان کی قربانی، مال کی قربانی، خواہشات کی قربانی اور سب سے بڑھ کر اپنی رائے، سوچ اور فکر کی قربانی۔ بس اِدھر اللہ کا حکم ملا، اُدھر سر تسلیم خم ہوگیا۔ شرح صدر اور دل کا اطمینان الگ چیز ہے اور اللہ کے احکامات میں عقل کے گھوڑے دوڑانا اور چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی حدود مقرر فرمائی ہیں۔ کان سن سکتا ہے، دیکھنے کے لیے آنکھ سے کام لیا جاتا ہے، زبان ذائقہ محسوس کرسکتی ہے اور سونگھنے کے لیے ناک مقرر ہے۔ بہرا شخص آنکھوں سے شُنوائی کا کام نہیں لے سکتا اور نہ ہی کوئی اندھا اپنے کانوں سے کچھ دیکھ سکتا ہے، بالکل اسی طرح اللہ نے انسان کو "عقل" کی نعمت سے نوازا ہے، مگر اس عقل کے کام کرنے کی بھی کچھ حدود مقرر ہیں۔ ہر چیز کو عقل کے ترازو پر تولا اور پرکھا نہیں جاسکتا۔ کہا جاتا ہے کہ کسی بزرگ کے پاس ایک عقل مند شخص آیا اور پوچھنے لگا کہ "حضرت! ذرا یہ تو سمجھا دیں کہ اللہ تعالیٰ کیسے اور کس طرح کے ہیں؟" بزرگ نے انتہائی اطمینان سے فرمایا: "یہ سامنے رکھے پیالے میں میری میز اٹھا کر رکھ دو۔" وہ شخص انتہائی تعجب سے کہنے لگا: "حضرت! اتنے چھوٹے سے پیالے میں اتنی بڑی میز کیسے رکھی جاسکتی ہے؟" یہ سن کر بزرگ نے فرمایا: "تو پھر اتنی سی عقل میں اتنی بڑی بات کیسے آسکتی ہے؟" اسی لیے ہمیں اس طرح کی باتیں سوچنے اور پوچھنے سے روکا گیا ہے، کیوں کہ ہماری "عقل" کا ترازو اتنا زیادہ بوجھ برداشت کرنے کے لیے ناکافی ہے۔

حج کا موسم ہے اور حاجیوں کے قافلے دنیا بھر سے بیت اللہ شریف کے گرد جمع ہیں، اسی طرح پوری دنیا کے مسلمان ایمانی جذبے سے سرشار "قربانی" کے لیے اچھے اور فربہ (موٹے) جانور خریدنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ کے لیے جانوروں کا خون بہایا جاتا ہے۔ مسلمان یہ سب کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اللہ نے حکم دے دیا بس! ہمارا کام اس پر عمل پیرا ہونا ہے۔ اللہ کی ذات "علیم" بھی ہے اور "حکیم" بھی، وہ ہمارا "خالق" بھی ہے اور "مالک" بھی، ہمارا نفع، نقصان ہم سے زیادہ ہمارا خالق جانتا ہے۔ ہماری عقل اللہ کا کوئی حکم سمجھ سکے یا اسے سمجھنے سے قاصر ہے، ہمارے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے، اسی میں ہماری بہتری یقینی ہے اور یہی ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔

کچھ لوگ "عقل پرستی" میں اتنا آگے نکل چکے ہیں کہ وہ اللہ کے ہر حکم کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اسلام کے بہت سے احکامات مثلاً زانی کا رجم یعنی زنا کا جرم ثابت ہونے پر مجرم کو پتھروں سے ہلاک کرنا، اسی طرح حج، قربانی، پردہ، جہاد اور قصاص پر انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں۔ ادبی تعبیرات، نرم لہجے، چہروں پر پھیلی مسکراہٹ اور جھوٹی اپنائیت کے ساتھ اہلِ ایمان کے "ایمان" پر وار کیے جاتے ہیں اور پھر اسے اپنی تحقیق کا نام دے دیا جاتا ہے۔

ان لوگوں سے سب سے بڑی اور بنیادی غلطی یہ ہوئی ہے کہ وہ اپنے محدود ذہن سے اللہ کے ہر "حکم" میں دنیاوی حکمتیں اور فوائد تلاش کرتے ہیں، جہاں "دنیا" کا مفاد نظر آیا تو دین کا حکم قابلِ قبول اور جہاں "قربانی" نظر آئی، وہاں دین کے اس حکم کی غلط تشریح اور من گھڑت مطلب نکالنے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے۔

> ادبی تعبیرات، نرم لہجے، چہروں پر پھیلی مسکراہٹ اور جھوٹی اپنائیت کے ساتھ اہلِ ایمان کے "ایمان" پر وار کیے جاتے ہیں اور پھر اسے اپنی تحقیق کا نام دے دیا جاتا ہے۔

یاد رکھیے! ہم اللہ کے دین پر صرف اس لیے عمل کرتے ہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور بس! اگر دنیاوی فوائد مثلاً نماز میں ورزش اور روزہ میں صحت وغیرہ جیسی حکمتوں کی وجہ سے دین پر چلنا شروع کردیا جائے تو یہ صاف "مفاد پرستی" ہے، اسے دین داری نہیں کہا جاسکتا۔

اِن دنوں حج اور قربانی پر اپنا مال خرچ کرنے کے بجائے "خدمتِ خلق" کے پُر فریب نعرے میں الجھا کر اسلام کے ان دو فریضوں سے دور کرنے کی سازش کی جاتی ہے۔ "خدمتِ خلق" اور "انسانیت کے حقوق" کی رعایت اسلام کے علاوہ کسی بھی اور مذہب میں نہیں ہے، اگر انسانیت سے واقعی سچی ہمدردی ہے اور احترام کا جذبہ ہے تو پھر عیاشی، فحاشی اور مختلف کھیلوں پر دنیا بھر میں ہونے والے فضول اربوں روپے کے اخراجات کی روک تھام کا بندوبست کیوں نہیں کیا جاتا؟ کہیں اسلام کے دو عظیم اور مبارک فرائض حج اور قربانی سے روک کر انسانیت کی فلاح پر مال خرچ کرنے والے انسانیت کے سب سے بڑے دشمن تو نہیں ہیں؟ اللہ کی زمین پر دلکش اور پر فریب نعروں سے ایمان سے روکنے کی سازش میں شریک بے حس، نام نہاد اسکالرز کا یہ طبقہ کیا واقعی اللہ کا خوف کھوچکا ہے...؟؟

یاد رہے! اگر حج اور قربانی میں نظر آنے والے بے شمار دنیاوی فوائد مثلاً اجتماعیت، معیشت کی مضبوطی، سفر کے فوائد، غریبوں کی مدد وغیرہ نہ بھی ہوتے، پھر بھی ایک مسلمان ان احکام پر عمل کرگزرتا، جس طرح پہلی قوموں کی قربانی کو آسمان سے آگ آکر جلا ڈالتی تھی، اگر ہماری شریعت میں بھی ایسا ہوتا تو کیا ہم قربانی کا انکار کر جاتے؟؟

ہر سال حج کے موسم میں قربانی کا فریضہ اہلِ ایمان سے یہ سوال کرتا ہے کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اگر آپ کو بھی اپنے لاڈلے بیٹے کی گردن پر چھری چلانے کا حکم ملتا تو ہم کیا کرتے؟؟ اپنی محدودِ عقل کے پجاری بن کر ایمان کا گلا کاٹتے یا اللہ کی محبت دل میں سجائے، جو حکم ملتا اسے کرگزرتے؟

کیا خیال ہے... ایمانی جذبۂ قربانی کی سلامتی ضروری ہے یا عقل کی غلامی؟؟

بقیہ

دنیا کی محبت

مراتب ایمانی مختلف ہیں: بات یہ ہے کہ مراتب ایمانی مختلف ہیں اور ایمان کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی طبیب نے مریض کو نُسخہ لکھ کر دیا اور دوا اور پرہیز سے متعلق تمام ہدایات دے دیں، ظاہر ہے طبیب کا مقصد یہ ہے کہ اس مریض کو اس نسخہ سے مکمل شفا ہو جائے گی۔ مگر مریض نے پورے نسخے کا استعمال نہ کیا، بل کہ آدھے نسخے کا استعمال کیا تو ظاہر ہے کہ آدھے نسخے سے ادنیٰ درجہ کا نفع ہوگا اور پورے سے پورا نفع ہوگا۔ اسی طرح ایمان کی تصدیق ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب سے بچنے کا سبب ہوسکتی ہے۔ مگر پوری نجات کا سبب نہیں ہوسکتی اور ایمان کی اس کیفیت اور اس درجے کے ساتھ گناہ جمع ہوسکتے ہیں اور ایمان کا دوسرا درجہ وہ تصدیق ہے جس پر ایمان کا مکمل اثر مرتب ہو اور یہی تصدیق کامل ہے۔ یہ مرتبہ ایمان کا معاصی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا، جس شخص کو یہ مرتبہ حاصل ہو تو اس سے زنا اور سرقہ وغیرہ سرزد ہی نہیں ہوگا۔

حبِّ دنیا کے مختلف درجے ہیں: حبِّ دنیا کے بھی مختلف درجے ہیں۔ کسی میں کم ہیں، کسی میں زیادہ۔ کفار میں زیادہ ہیں، مسلمانوں میں کم، مگر ہیں ضرور اور یہی جڑ ہے تمام گناہوں کی، کیوں کہ جس درجے میں دنیا کی محبت ہوگی، اسی درجے میں دین کی فکر کم ہوگی۔ اگر دنیا کی محبت کامل درجے کی ہے تو دین سے بے فکری بہت بڑے پیمانے پر ہوگی۔ یہ دخل ہے حبِّ دنیا کو ان امور میں جن کا ذکر کر رہا ہوں اور کفار میں تو یہ مرض ہے ہی، افسوس یہ ہے کہ ہم میں بھی پایا جاتا ہے۔

دنیادار کو موت کا خوف: ہماری بڑی بھاری غلطی یہ ہے کہ ہم نے دنیا کو اپنا گھر سمجھ رکھا ہے، اسی لیے یہاں سے جدا ہونے کا رنج و غم ہوتا ہے۔ ورنہ جب آدمی سفر میں جاتا ہے تو جتنا گھر سے قریب ہوتا جاتا ہے، خوشی بڑھتی جاتی ہے اور یہاں یہ حالت ہے کہ جوں جوں مرنے کے دن قریب آتے ہیں، روح فنا ہوتی ہے اور یہ حالت دنیاداروں ہی کی ہے کیوں کہ وہ دنیا ہی کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ بخلاف اہل اللہ کے کہ ان کو اس کا ذرا بھی غم نہیں ہوتا اور ان کو نہ اپنے مرنے کی پروا ہوتی ہے نہ اولاد کے مرنے کی پروا ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ تو جہلا کو ان کے سنگ دل ہونے کا شبہ ہو جاتا ہے، حالاں کہ ایسا نہیں۔ ان سے زیادہ تو کوئی رحم دل ہی نہیں ہوتا، مگر پریشانی نہ ہونے کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ آخرت کو اپنا گھر سمجھتے ہیں، کیوں کہ وہ آخرت کو اپنا وطن سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب وہ مرنے کے قریب ہوتے ہیں تو خوشیاں مناتے ہیں۔ جس طرح عادت ہے کہ سفر سے واپس آتے ہوئے گھر کے قریب پہنچ کر خوشیاں منائی جاتی ہیں۔

دنیا کی محبت

حکیم الامت حضرت اقدس مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

بیماریوں کی جڑ: ہمارے اندر مختلف بیماریاں پائی جاتی ہیں، دیکھا جائے تو حدیث کی رو سے تمام امراض کی بنیاد صرف ایک ہی چیز ہے۔ وہ ہے 'حبِّ دنیا' جس کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظوں میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ کہ دنیا کی محبت تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

اس لیے بجائے اس کے کہ ہر ہر مرض کو جدا جدا تفصیل سے بیان کیا جائے، مناسب یہ ہے کہ سارے امراض کی اصل اور اس کے علاج کو بیان کر دیا جائے، کیوں کہ اول تو ہر ایک مرض کی تفصیل بیان کرنے کے لیے وقت کی گنجائش نہیں۔ دوسرے اصل کا علاج بیان کرنے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ اصلی مرض کا صحیح اور ٹھیک ٹھیک علاج معلوم ہو جانے سے تقریباً تمام ہی بیماریوں کا علاج ہو جائے گا، کیوں کہ اصل بیماری تمام بیماریوں کا سبب ہوا کرتی ہے۔ اس لیے اُس کے علاج سے سب کا علاج ہو جائے گا کیوں کہ بیماری کے علاج کی حقیقت بیماری کا سبب ختم ہونے میں پوشیدہ ہے، سبب ختم تو بیماری بھی ختم۔

پہلے بنیادی مرض کا علاج:
مثلاً اگر کسی کے جسم سے کسی وجہ سے خون نکل گیا اور اس وجہ سے دل و دماغ بھی کمزور ہو گئے اور کچھ دوسری بیماریاں بھی ہو گئیں تو اس حالت میں علاج کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ہر ہر مرض کا الگ الگ علاج کیا جائے، جیسے مریض کو دماغ اور دل کی تقویت دینے والی دوائیں استعمال کروائی جائیں، تا کہ دماغ میں قوت پیدا ہو اور دل کی کمزوری دور ہو۔ یعنی ہر ہر مرض کا الگ الگ علاج کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس میں بہت ہی وقت بھی لگے گا اور مشکل بھی بہت پیش آئے گی۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تمام امراض کے اصل سبب کو تلاش کیا جائے کہ وہ کیا وجہ ہے جس سے یہ تمام امراض لاحق ہوئے ہیں۔ اوپر ذکر کی گئی صورتِ حال میں ظاہر ہے کہ یہاں تمام امراض کی اصل وجہ جسم سے خون کا زیادہ مقدار میں نکلنا اور ضائع ہونا ہے۔ ایسی صورت میں مناسب یہی ہے کہ اس حالت میں ایسی تدابیر کی جائے، ایسے طریقے اختیار کیے جائیں جن سے خون میں ترقی ہو، جب خون بڑھے گا۔ تمام امراض خود بخود زائل ہو جائیں گے۔ ایسے ہی یہاں بھی سمجھ لیجیے کہ اصل کا علاج کرنے سے تمام امراض چلے جائیں گے۔ دنیا کی محبت چوں کہ تمام روحانی بیماریوں اور گناہوں، خطاؤں کی جڑ ہے، جب اس کا علاج ہو جائے گا تو سارے امراض خود ہی دفع ہو جائیں گے اور یہ ایک کلی علاج ہے۔

دنیا کی محبت بنیادی مرض کیسے؟: البتہ ایک سوال یہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جب دنیا کو تمام امراض کی جڑ اور سبب بتلایا گیا ہے تو اس کا دیگر امراض سے کیا تعلق ہے، جس کی وجہ سے اس کو جملہ امراض کی اصل قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً نماز نہ پڑھنے کو حبِّ دنیا سے کیا تعلق؟ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ ایک شخص میں حبِّ دنیا ہو اور نماز بھی پڑھتا ہو یا ایک شخص میں حبِّ دنیا ہو اور روزے بھی رکھتا ہو یا مثلاً کسی میں غصہ ہو اور دنیا کی محبت نہ ہو۔ اسی طرح دیگر اعمال پر غور کیا جائے تو بہ ظاہر دنیا کی محبت کا تمام خطاؤں اور خرابیوں کا بنیادی سبب، وجہ اور جڑ قرار دینے کا مطلب سمجھ نہیں آتا۔ بہ ظاہر تو کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔

بات یہ ہے کہ اگر غور کیا جائے تو حبِّ دنیا کو ہر مرض سے علاقہ ہے کیوں کہ جس میں حبِّ دنیا ہو گی، اس کو آخرت کا اہتمام نہیں ہو گا۔ وہ شخص اعمالِ حسنہ انجام دے گا نہ ہی برائیوں سے بچے گا اور جب آخرت کی فکر ہوتی ہے تو جرائم صادر نہیں ہوتے مثلاً جو لوگ جرائم کرتے ہیں، وہ محض اس وجہ سے کہ آخرت کی فکر نہیں۔ اگر آخرت کے واقعات لوگوں کے پیشِ نظر ہوں تو جرائم کبھی صادر نہ ہوں۔ مگر حبِّ دنیا کے مراتب مختلف ہیں جیسے فکرِ آخرت کے مراتب مختلف ہیں۔ پس جن درجات میں تضاد ہے، وہ جمع نہیں ہو سکتے اور جن میں تضاد نہیں، وہ جمع ہو سکتے ہیں اور یہی راز ہے اس کا جس کو ان دو احادیث سے سمجھنا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زانی شخص اس حال میں کہ وہ مومن ہے، زنا نہیں کرتا اور چور اس حال میں کہ چور ہے، چوری نہیں کرتا۔" اور دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے لا الہ الا اللہ کہا، جنت میں داخل ہو گا، اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری کی۔"

(بقیہ ص 17 پر)

pg19
PERFECT
5

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

ماہِ ذی الحجہ کے فضائل واحکام

سوال: شریعتِ مطہرہ نے ماہِ ذی الحجہ میں مسلمانوں کے لیے کیا کیا احکامات وفضائل بتائے ہیں؟

جواب: ماہِ ذی الحجہ اسلامی سال کا بارھواں اور آخری مہینہ ہے' اس مہینہ میں چوں کہ حج کی ادائیگی کی جاتی ہے اور حج اسلام کا ایک عظیم رکن ہے' اس لیے اس مہینے کے ساتھ حج کی ادائیگی کا تعلق ہونے کی وجہ سے اس کو "ذی الحجہ" یعنی حج والا مہینہ قرار دیا گیا ہے۔ ماہِ ذی الحجہ اسلامی سال کا اختتامی مہینہ ہے' اس کے بعد محرّم کا مہینہ شروع ہونے پر نئے اسلامی سال کا آغاز ہو جاتا ہے۔ گویا "ذی الحجہ" پورے سال کا تتمہ اور خلاصہ ہے۔ انسان کی زندگی کا ایک سال مکمل ہونے پر اس کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اپنے گزرے ہوئے سال کا جائزہ لے کہ وہ کس حال میں گزرا اور اس کو اس پورے سال میں کیا کچھ آخرت کا ذخیرہ جمع کرنے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنے کا موقع نصیب ہوا' اچھی حالت پر شکر کرے اور بری حالت پر استغفار کرے اور آئندہ سال کے لیے ابھی سے بری حالت کو اچھی حالت سے تبدیل کرنے کا ارادہ اور عہد کرے۔

حج کے علاوہ اس مبارک مہینے میں اسلامی تہوار "عیدالاضحیٰ" کی شکل میں منایا جاتا ہے' جس میں لاکھوں بندگانِ خدا بارگاہِ خداوندی میں جانوروں کی قربانی کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ جس مہینے میں "حج بیت اللہ" "قربانی" اور "عیدالاضحیٰ" جیسے بڑے بڑے احکامات رکھے گئے ہوں' ظاہر ہے کہ وہ مہینہ کتنی عظمت وفضیلت والا مہینہ ہوگا!!!

ماہِ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ (یعنی ابتدائی دس دن)

ویسے تو ذی الحجہ کا پورا مہینہ ہی خیر وبرکت والا ہے' لیکن اس مہینے کا پہلا عشرہ بطورِ خاص فضیلت کا حامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا کے دنوں میں سب سے افضل دن ذی الحجہ کے پہلے عشرے کے دن ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ذی الحجہ کے ان دس دنوں میں اعمالِ صالحہ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک باقی تمام دنوں کے مقابلے میں زیادہ پسندیدہ ہے' لہٰذا اس میں کثرت سے کلمہ طیبہ "اللہ اکبر" "الحمد للہ" اور "سبحان اللہ" کا وِرد کیا کرو!

تکبیراتِ تشریق کا حکم

چناں چہ اس ماہ کے ایامِ تشریق میں ہر فرض نماز کے بعد بطورِ خاص اللہ کی بڑائی) تکبیراتِ تشریق (کہنے کی تاکید وارد ہوئی ہے' چناں چہ نو ذی الحجہ کی فجر کی نماز سے لے کر تیرہ ذی الحجہ کی عصر کی نماز تک کُل پانچ دن تکبیرِ تشریق

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

ہر فرض نماز کے بعد ہر مسلمان مرد عورت' شہری' دیہاتی' مقیم ومسافر' حاجی وغیر حاجی' تنہا اور جماعت سے پڑھنے والے ہر ایک پر واجب ہے۔

عیدالاضحیٰ کی رات کی فضیلت

اس ماہ کے پہلے عشرے کی آخری اور دسویں رات میں عبادت کے بارے میں احادیث میں بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں' چناں چہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے عیدین) عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ (کی راتوں میں اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی خاطر) عبادت کے ساتھ (قیام کیا تو اس کا دل اس دن مردہ نہیں ہوگا' جس دن) لوگوں کے (دل مردہ ہو جائیں گے۔" قیام سے مراد نفلی عبادت ہے' جس میں ذکر وتلاوت' دعا واستغفار کے ساتھ ساتھ نفل نماز بھی داخل ہے اور اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے کہ جس کی دہشت سے لوگوں کے دل مردہ ہو جائیں گے۔

فضائلِ قربانی

سوال: شریعت کی نظر میں قربانی کی کیا فضیلت ہے' آگاہ فرمائیں!

جواب: واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد ہر سال قربانی فرمائی ہے' کسی سال اس کا ناغہ نہیں فرمایا' اس سے آپ ﷺ کی مواظبت ثابت ہوئی جس کا مطلب ہے لگاتار کرنا' اس طرح اس سے قربانی کا واجب ہونا ثابت ہوا' نیز آپ ﷺ نے قربانی نہ کرنے پر وعید ذکر فرمائی۔ احادیث میں بہت سی وعیدیں مذکور ہیں' جیسے آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔" قربانی کی بہت سی فضیلتیں ہیں: زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قربانی تمہارے باپ) ابراہیم علیہ السلام (کی سنت ہے۔" صحابی نے پوچھا: "ہمارے لیے اس میں کیا ثواب ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ایک بال کے عوض ایک نیکی ہے۔" اُون کے متعلق فرمایا: "اس کے ایک بال کے عوض بھی ایک نیکی ہے۔" حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "قربانی کے دنوں میں اس سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں ہے' سوائے رشتہ داری کا پاس ولحاظ رکھنے کے۔"

قربانی کے دنوں میں قربانی کرنا بہت بڑا عمل ہے' حدیث میں ہے کہ قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں اور قربانی کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے وہ گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے۔

قربانی کس پر واجب ہے؟

سوال: قربانی کس پر واجب ہوتی ہے؟

جواب: قربانی ہر اس مسلمان عاقل' بالغ' مقیم پر واجب ہوتی ہے' جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مال اس کی حاجاتِ اصلیہ سے زائد موجود ہو' یہ مال خواہ سونا چاندی یا اس کے زیورات ہوں یا مالِ تجارت یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان یا رہائشی مکان سے زائد کوئی مکان' پلاٹ وغیرہ۔

قربانی کے معاملے میں اس مال پر سال بھر گزرنا بھی شرط نہیں۔ بچہ اور مجنون کی ملکیت میں اگر اتنا مال ہو بھی تو اس پر یا اس کی طرف سے اس کے ولی پر قربانی واجب نہیں۔ اسی طرح جو شخص شرعی قاعدے کے موافق مسافر ہو' اس پر بھی قربانی لازم نہیں' جس شخص پر قربانی لازم نہ تھی اگر اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو اس پر قربانی واجب ہو گئی۔

جوائنٹ فیملی ہونے کی صورت میں بالغ اولاد کی طرف سے قربانی؟

سوال: ہم پانچ بھائی ہیں۔ تمام شادی شدہ ہیں اور والدین کے ساتھ اکٹھے رہتے ہیں۔ تمام بھائی جو کما رہے ہیں' والد صاحب کو دیتے ہیں' صرف جیب خرچہ اپنے پاس رکھتے ہیں' تو اس صورت میں ہم) بھائیوں (پر قربانی واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ اب تک والدین اپنی قربانی کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ آیا والدین کا قربانی کرنا کافی ہے یا ہم بھی کریں گے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں اگر آپ اپنی ذاتی رقم کے اعتبار سے صاحبِ نصاب ہوں تو آپ کے والد صاحب کو چاہیے کہ آپ پانچوں بھائیوں کی طرف سے بھی قربانی کیا کریں' بل کہ پانچوں کی بیویوں کے پاس بھی زیورات اور نقدی وغیرہ اگر اتنی ہو کہ نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے تو ان کی طرف سے بھی قربانیاں ہونی چاہئیں۔ بہر حال! گھر میں جتنے افراد صاحبِ نصاب ہوں گے ان پر قربانی واجب ہوگی اور اگر کمانے کے باوجود صاحبِ نصاب نہیں تو قربانی واجب نہیں ہوگی۔

قربانی کے بدلے میں صدقہ وخیرات کرنا

سوال: اگر کسی شخص نے لاعلمی یا غفلت وکوتاہی کی وجہ سے باوجود استطاعت کے قربانی نہ کی تو وہ کیا کفارہ دے؟

جواب: اگر قربانی کے دن گزر گئے اور کوئی شخص ناواقفیت یا غفلت یا کسی عذر سے قربانی نہ کر سکا تو قربانی کی قیمت فقرا ومساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے' لیکن قربانی کے تین دنوں میں جانور کی قیمت صدقہ کر دینے سے یہ واجب ادا نہ ہوگا' ہمیشہ گناہ گار رہے گا' کیوں کہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے' جیسے نماز پڑھنے سے روزہ اور روزہ رکھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی' زکوٰۃ ادا کرنے سے حج ادا نہیں ہوتا' ایسے ہی صدقہ خیرات کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی۔ رسولِ کریم ﷺ کے ارشادات اور تعامل اور پھر اجماعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس پر شاہد ہیں۔

زیورات پر قربانی کا حکم

سوال: میری ایک شادی شدہ بیٹی جس کے پاس 15 سال کی عمر سے تین چار تولے سونے کا زیور رہا ہے اور شادی کے بعد اور زیادہ ہی ہے۔ اس کی طرف سے نہ میں نے کبھی قربانی کی' نہ اس نے خود کی اور نہ شوہر اس کی طرف سے کرتا ہے۔ ایسے میں کیا اس پر 15 سال کی عمر سے قربانی فرض ہے اور وہ بھی تمام سالوں کی قربانی ادا کرے؟

جواب: اگر آپ کی بیٹی کی ملکیت میں کچھ روپیہ پیسہ بھی رہا ہو تو وہ صاحبِ نصاب ہیں اور اس پر زکوٰۃ وقربانی دونوں واجب ہیں اور اگر روپیہ پیسہ نہیں رہتا ہو تو وہ صاحبِ نصاب نہیں اور ان پر زکوٰۃ وقربانی بھی واجب نہیں۔

قربانی کے جانور میں عقیقے کا حصہ رکھنا

سوال: کیا عیدِ قربان پر قربانی کے ساتھ بچوں کا عقیقہ بھی کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً: ایک گائے لے کر ایک حصہ قربانی اور چھ حصے چار بچوں) دو لڑکے' دو لڑکیاں (کا عقیقہ ہو سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! قربانی کے جانور میں عقیقے کے حصے رکھے جا سکتے ہیں۔

ٹنڈے کے مختلف نام

ٹنڈے کو عربی میں الفتاح القرع اور انگریزی میں RoundGourd کہتے ہیں۔ ٹنڈے کا نباتاتی نام (CitrulusVulgarisVarFistulosus) ہے۔

ٹنڈے گوشت کا مزہ

موسم گرما میں کیوں کہ گرم مزاج کے حامل افراد کے لیے گوشت کا استعمال منع ہوتا ہے' اس لیے انھیں گوشت کے ساتھ ٹنڈے شامل کر کے پکانے کا مشورہ دیا جاتا ہے' کیوں کہ یہ گوشت کی حدّت کو کم کر کے ان کے لیے فائدے مند اور لذیذ سالن تیار کیا جاسکتا ہے۔

ٹنڈے کا تعارف

ٹنڈا جھاڑی کی شکل کی چھوٹے چھوٹے درختوں پر لگتا ہے۔ ٹنڈے چھوٹے بڑے دو تین انچ قطر کے گول ہلکے یا گہرے سبز رنگ کے ہوتے ہیں۔ جن میں ہلکے سبز رنگ کے ٹنڈے اچھے سمجھے جاتے ہیں۔ عموماً ٹنڈے کی سبزی بنا کر کھائی جاتی ہے۔ بیماری کی حالت میں ٹنڈے کی سبزی بنا کر کھانا مفید ہے۔

کدو سے مشابہ مگر جسامت کے اعتبار سے اس سے بہت چھوٹے چھوٹے گول مٹول اور چمکدار سبز زردی مائل رنگ کی حامل یہ ترکاری جس کے اوپر سفید باریک باریک روئیں ہوتے ہیں ٹنڈے کہلاتے ہیں۔ یہ موسم گرما کی کئی خرابیوں کے حل کے لیے ابتدا سے انتہا تک موسم کے ساتھ ساتھ پائے جاتے ہیں۔ موسم گرما میں صفراوی اور دموی مزاج کے حامل افراد کے لیے یہ عطیہ خداوندی ہے۔ مگر بلغمی مزاج کے حامل افراد جو برودت معدہ میں مبتلا ہوں کے لیے مفید نہیں ہیں۔

بیماری میں ٹنڈوں کی مسیحائی

موسم گرما کی مخصوص حدت کے ساتھ جب بخار کی حرارت غریبہ بھی شامل ہو جاتی ہے تو سخت بے چینی اور گھبراہٹ ہوتی ہے' چناں چہ بخار کی شدت سے بخارات دماغ کی طرف اٹھ کر ہذیان کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں تو مریض بہکی بہکی اور بے معنی باتیں کرنے لگتا ہے۔ ان حالات میں بھی ٹنڈوں کی مسیحائی کام کرتی ہے' چناں چہ مریض کے پاؤں' ہاتھ اور تالو پر ان کا ملنا اور غذا میں بطور ترکاری استعمال کرنا ان حالات میں بہت نفع بخش ثابت ہوتا ہے۔ ٹنڈے اپنی برودت یعنی سردی کے باعث بخار کی حدت اور تیزی کو کم کر دیتے ہیں۔ نیز مقوی ہونے کے سبب دماغ اور اعصاب کو کسی قدر تقویت بھی دیتے ہیں۔ یہ موسم گرما میں گرم امراض اور نحیف افراد کے لیے بہترین غذا اور دوا بھی ہیں۔ نیز تر ہونے کی وجہ سے دماغ کی رطوبت و قوت اور دل کو فرحت دے کر سر کی خشکی کو دور کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ دماغی خشکی کے سبب ہونے والے دردِ سر کے لیے بھی یہ بہت مفید ہے۔

کم زوری کا خاتمہ اور چہرے کی تروتازگی

ٹنڈے صفراوی مزاج رکھنے والے اصحاب میں صفرا کی تیزی وحدت کو کم کر کے ان کے جسم میں پائی جانے والی خشکی و گرمی اور عوارضات مثلاً پیاس کی زیادتی' گرمی کے سبب دماغی بوجھل پن' اعصاب کی خستگی و کمزوری اور جسمانی لاغری کے ازالہ کا سبب بنتے ہیں۔ ایسے افراد کے چہرے پر ٹنڈوں کے مسلسل استعمال سے تروتازگی پیدا ہوتی ہے۔

ٹنڈے اور زیرے کا ساتھ

بلغمی مزاج افراد کے لیے دیگر سرد ترکاریوں اور غذائوں کی طرح یہ بھی مضر ہے۔ مگر جب انھیں بھی زائد گرمی آن دبوچے تو اس کا استعمال نقصان دہ نہیں ہوتا۔ بلغمی مزاج کے حامل افراد اگر اس کے سالن میں زیرہ سیاہ اور کالی مرچ کا نہایت باریک سفوف شامل کرلیں تو کسی قسم کی مضرت کا اندیشہ نہیں ہوگا۔

تازہ اور نرم ٹنڈے

اب تک جن ٹنڈوں کے طبّی فوائد کا ذکر کیا گیا ہے' ان فوائد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ٹنڈے تازہ اور نرم ہوں اور ان کے گودے میں سخت قسم کے بیج نہ بنے ہوں۔ باسی' سخت اور پختہ ٹنڈوں سے ان فوائد کی توقع رکھنا عبث ہے۔

بخار کا خاتمہ

ٹنڈے کی سبزی کھانے سے پیشاب کھل کر ہو جانے کی وجہ سے خون کا بڑھا ہوا دباؤ معمول پر آجاتا ہے۔ ہلکے بخار میں ٹنڈے کا استعمال بخار کو دور کر دیتا ہے۔

ٹنڈا ہائی بلڈ پریشر کا دشمن

موسم گرما ہائی بلڈ پریشر کے مریضوں کے لیے شدید پریشان کن موسم بن جاتا ہے' کیوں کہ اس موسم میں سانس کا پھولنا' حرکت قلب کا تیز ہونا مسلسل گھبراہٹ' بے چینی' پیاس کی زیادتی بہت تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔ ان مریضوں کے لیے بھی ٹنڈے کی سبزی صحت افزا خوراک کی حیثیت رکھتی ہے' یعنی ٹنڈے کی خصوصیات سے ہائی بلڈ پریشر کے مریض بھی قابلِ قدر فوائد حاصل کر کے موسم گرما کی چلچلاتی دھوپ میں سکھ کا سانس لیتے ہیں۔

دانتوں اور ہڈیوں کو مضبوط بنائیں

جدید تحقیقات کی رو سے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں پائے جانے والے اجزا خصوصاً حیاتین ج اور کیلشیم کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے دانتوں اور ہڈیوں کو خصوصی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ حیاتین ج کی کمی کی وجہ سے پیدا ہونے والے امراض سکروی وغیرہ میں اس کا استعمال مفید ہے۔ دانتوں اور مسوڑھوں کے نقائص میں بھی ٹنڈے مفید ہیں۔

پتھری کا علاج

ٹنڈا انتہائی ٹھنڈا' لذیز' قبض کشا' پیشاب آور اور پتھری کو توڑ کر نکال دیتا ہے۔ ٹنڈے کی سبزی کھاتے رہنے سے یا اس کے پتوں کو سکھا کر بھون کر کھانے سے دماغی اور جسمانی طاقت پیدا ہوتی ہے اور جسم فربہ ہو جاتا ہے۔

نوٹ: ٹنڈے کے زیادہ استعمال سے پیٹ میں گیس بننے لگتی ہے۔ اس لیے اسے اعتدال کے ساتھ استعمال کرنا چاہیے۔

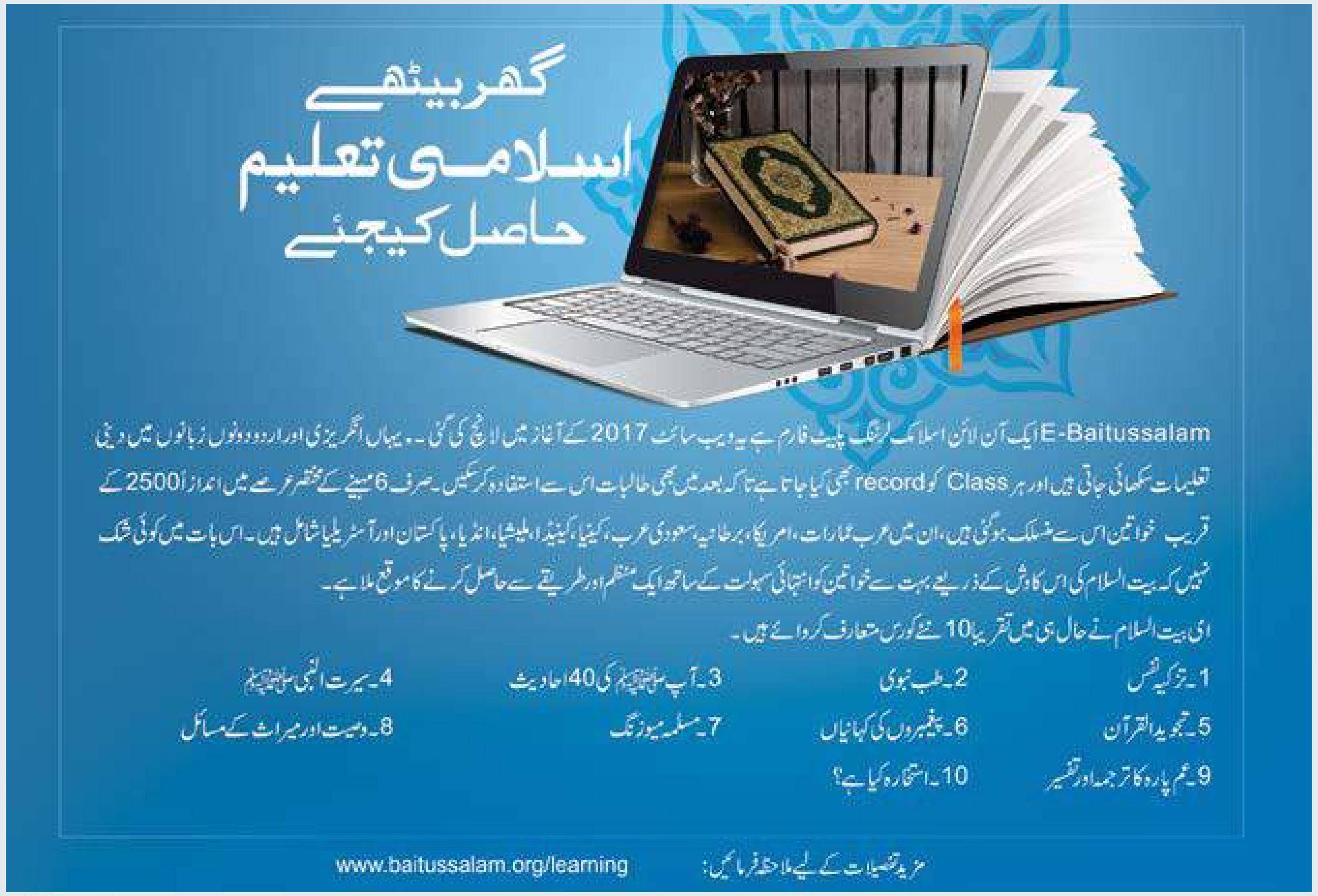

pg24

Zuyufurre.

6

خط نمبر 33

محمد دانش

باپ کا بیٹی کے نام خط

تعلیم کی اہمیت

میری سعادت مند بیٹی۔ ہزار ہا دعائیں

بیٹی! اس خط کے ذریعے حصول علم کی اہمیت کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ تعلیم عربی زبان کے لفظ "علم" سے نکلا ہے۔ علم کا مطلب ہے جاننا اور جاننے کا عام وسیلہ پڑھنا، لکھنا اور مشاہدہ کرنا ہے۔ تعلیم معاشرتی زندگی کی لگاتار تجدید کا نام ہے۔ یہ اس عمل کا نام ہے جس کے ذریعے افراد کو ایک مخصوص قسم کی معاشرتی زندگی کی لذّت سے آشنا کر کے انھیں اس زندگی کا سرگرم محافظ بنا دیا جاتا ہے۔

قدیم مفکر سقراط نے تعلیم کے بارے میں یوں کہا ہے کہ "سچائی افراد کے ذہنوں میں پوشیدہ ہوتی ہے، تعلیم کے ذریعے افراد کو اس پوشیدہ سچائی سے روشناس کرایا جاتا ہے۔" ارسطو نے تعلیم کی کچھ اس طرح تعریف کی ہے کہ "تعلیم بچے کی یادداشت اور خیالات کے ساتھ ساتھ اس کی عقل اور اخلاقی نشوونما کا نام ہے۔" یہ تو تعلیم کے بارے میں قدیم مفکرین کی رائے ہے۔ ہمارے دینِ اسلام کی تو بنیاد ہی علم پر ہے۔ قرآنِ حکیم کا آغاز بھی علم سے ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی میں پڑھنا اور لکھنا دونوں شامل ہیں۔ قرآن پاک خود علم کا خزانہ ہے اور اس کتاب میں جگہ جگہ علم کی اہمیت اور فضیلت کے نقوش ملتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ (الزمر: 9) ترجمہ: کیا وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے، سب برابر ہیں۔

اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا (فاطر: 28) ترجمہ: اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔

حضورِ اقدس ﷺ کی ساری زندگی علم کی اشاعت میں گزری۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے۔

- میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔
- علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔
- بلا تاخیر ایک جاہل کو علم کی تلاش میں لگ جانا چاہیے اور ایک عالم کو اپنے علم میں اضافہ کرنے میں۔
- علم نیکی اور بدی میں تمیز کرنا سکھاتا ہے اور خدا تک پہنچنے کے لیے روشنی کا کام دیتا ہے۔

دیکھو بیٹی! ان احادیث میں دو اہم نکات سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام میں مرد عورت دونوں کو تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایسا نہیں کہ عورت کے لیے تھوڑی تعلیم اور مرد کے لیے زیادہ تعلیم۔ علم حاصل کرنے کے سلسلے میں دونوں مساوی ہیں، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ علم حاصل کرنے کے مقاصد کو مدِ نظر رکھا جائے یعنی بامقصد تعلیم حاصل کی جائے۔ ہم جدید دور میں سانس لے رہے ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے ہمارے معاشرے کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ زندگی میں بجلی کی طرح تیزی آگئی ہے۔ انسانی ذہن نے کائنات کو سمیٹ کر کمپیوٹر میں قید کر لیا ہے۔ ان حالات میں ان کا مقصد بھی جدید تر ہونا چاہیے۔ ساتھ ہی ساتھ اسلام نے جو علمی مقصد چودہ سو سال پہلے دیا تھا، اس کو بھی مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

لہٰذا میری بیٹی! جدید علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آپ پر لازم ہے کہ اپنے دین کو بھی سمجھیں، وہ علم ناقص ہے جو آپ کو دین سے غافل کر دے اور وہ کتابیں مضر ہیں، جنھیں پڑھ کر انسان کا ایمان کمزور پڑ جائے۔ اسی بات کو حضرت علامہ اقبالؒ نے اپنے ایک لیکچر میں بیان کیا ہے کہ "علم کو دین کے ماتحت رہنا چاہیے۔ اگر علم کی قوت دین کے تابع ہو جائے تو انسانوں کے لیے سراپا رحمت ہے۔" امام غزالیؒ نے علم کے بارے میں یوں فرمایا: "حقیقی علم وہ ہے، جو ایک طرف خدا سے قریب کر دے اور دوسری طرف اسے دنیا میں کامیاب کر دے۔"

یاد رکھنا بیٹی! علم حاصل کرنے کا سب سے اہم مقصد کردار سازی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تعلیم کے ساتھ تربیت بھی اتنی ہی اہم ہوتی ہے، لہٰذا تعلیم کو سیرت سازی کا سب سے بڑا وسیلہ ہونا چاہیے۔ صحیح تعلیم آپ کو سادگی، پاکیزگی، سچائی، محنت و مشقت اور انسانیت کی خدمت کے قابل بناتی ہے۔ (بقیہ ص 27 پر)

آنسوؤں اور آہوں کی روداد سن

بنتِ عامر

شام ڈھلتی جارہی تھی اور دھیرے دھیرے تاریکی پھیل رہی تھی۔فاطمہ کا دل بہت بے چین تھا‘کیوں کہ ابو بسام ابھی تک گھر نہیں پہنچے تھے۔شہر حلب کے حالات ہی کچھ یوں تھے کہ گولہ باری اور بمباری کے بیچ ہر ایک اسی طرح صبح کرتا کہ اس کو اگلی صبح تک زندہ رہنے کی امید نہ ہوتی اور روز بروز شہدا کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔

اتنے میں دروازے کی گھنٹی بجی۔فاطمہ نے جلدی سے دروازہ کھولا تو اگلا منظر دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی۔

ابو بسام شدید زخمی تھے۔سر سے مسلسل خون بہہ رہا تھا‘ٹانگ میں بھی سخت چوٹ آئی تھی۔فاطمہ نے جلدی سے انھیں بستر پر لٹایا اور اپنے دوپٹے سے ان کی پٹی کرنے لگی۔

ابو بسام مسلسل کراہ رہے تھے‘ان کی حالت بہت نازک تھی۔فاطمہ نے جلدی سے ہسپتال سے رابطہ کیا۔حلب کے اکثر ہسپتال جل کر راکھ ہو چکے تھے۔کافی جدو جہد کے بعد وہ ایک ہسپتال سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو گئی‘مگر بتایا گیا کہ ان کی تمام ایمبولینس جلا دی گئی ہیں‘صرف 2 باقی ہیں‘جو پیٹرول نہ ہونے کی وجہ سے فی الحال بے کار ہیں۔یہ سننا تھا کہ فاطمہ کے پاؤں تلے زمین نکل گئی۔

اِدھر ہالہ اور بسام اپنے والد کو اس حال میں دیکھ کر چپ نہ رہ سکے۔ان کے رونے کی آواز سے اہلِ محلّہ جمع ہو گئے۔کسی کی گاڑی میں بھی پیٹرول نہ تھا۔آخر ایک سبزی والے سے اس کا ٹھیلہ لیا۔اس پر ابو بسام کو لِٹا کر ہسپتال کی جانب لے جانے لگے۔ابو بسام زندگی اور موت سے جنگ کرتے ہوئے راستے میں ہی زندگی کی بازی ہار گئے اور ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو گئے۔

”یہ چاند کتنا خوش نصیب ہے۔ہر وقت آزادانہ گھومتا رہتا ہے‘نہ دشمن کا خوف ہے اور نہ ہی کرفیو لگنے کا۔“ہالہ نے بے بسی سے چاند کی طرف دیکھا۔

”ایک ہم ہیں کہ دو دن سے گھروں میں محصور ہیں۔کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں ہے اور نہ ہی باہر جا کر کچھ خرید سکتے ہیں۔“ہالہ کے لہجے میں اداسی تھی۔

”آپی!پتا ہے میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے گولی لگ جائے‘اس صورت میں گھر سے نکلنا تو نصیب ہو گا ناں‘پھر ہسپتال میں تو کھانا بھی ملے گا۔“5 سالہ بسام نے اپنی تمنا کا اظہار کیا۔

”بل کہ میرا تو دل چاہتا ہے کہ میں بھی بابا کی طرح شہید ہو جاؤں۔مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں بھیجیں گے‘پھر میں وہاں خوب پیٹ بھر کر کھانا کھاؤں گی۔روٹی‘پھل‘سبزیاں سب کچھ کھاؤں گی۔خوب آرام سے رہوں گی۔ہر طرف سکون ہی سکون ہو گا۔ہر روز بمباریوں سے میرا دل بہت ڈر جاتا ہے۔“ہالہ نے یہ کہتے ہوئے درخت سے پتّا توڑ کر منہ میں ڈالا‘مگر پھر اس کی تلخی برداشت نہ کرتے ہوئے اسے منہ سے نکال دیا۔

”یخ!!!یہ تو بہت کڑوا ہے۔“

”آپی!یہ گھاس کھالیں۔یہ بالکل بھی کڑوی نہیں ہے۔“بسام نے معصومیت سے اس کی طرف گھاس بڑھائی‘جس کو دیکھ کر ہالہ کی آنکھیں آنسو بہانے لگیں‘جو بزبانِ حال یہ کہہ رہے تھے۔

آنسوؤں اور آہوں کی رُوداد سن
ربِ کونین میری بھی فریاد سن
آج میں دہر میں سب سے مظلوم ہوں
حق پہ ہوتے ہوئے حق سے محروم ہوں
شامِ خون رنگ ہوں‘صبحِ مغموم ہوں

”امی!ہم کب تک بھوکے رہیں گے؟آج تو مجھے کھانا چاہیے ہی چاہیے۔آپ ابھی کھانا بنائیں۔مجھ سے اب اور گھاس نہیں کھائی جا رہی۔“بسام نے روتے ہوئے اپنی والدہ سے التجا کی۔

فاطمہ نے بے بسی سے اپنے گھر میں ایک طائرانہ نظر ڈالی۔پچھلے دنوں بمباری میں ان کے گھر کا اکثر حصہ ملبے کا ڈھیر بن چکا تھا۔کچن میں جاتے ہی اس کے ذہن میں ایک تدبیر آئی۔اس نے ہانڈی میں پانی ڈال کر چولہے پر چڑھا دیا اور چوں کہ سامنے یہ ظاہر کیا کہ کھانا بس پکنے ہی والا ہے۔ہالہ اور بسام بار بار کچن کا چکر لگاتے رہے اور ہانڈی کو دیکھ کر مطمئن ہو جاتے۔بچے انتظار کرتے کرتے سو گئے‘پھر فاطمہ کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔وہ اپنے رب کے حضور خوب روئی۔

”یا اللہ!دورِ فاروقی میں بھی ایسی ہی عورت تھی‘جس کے بچے بھوک سے بلک بلک کر رو رہے تھے۔اس نے بھی یہی تدبیر اختیار کی تھی‘لیکن...اس کی مدد کو امیر المؤمنین خود آئے تھے۔“فاطمہ کی آنکھوں سے مسلسل اشک رواں تھے”آج مسلمان کہاں ہیں؟میری مدد کو کون آئے گا؟کیا کوئی فاروق پھر اٹھے گا‘جو آ کر مجھے راشن دے؟میرے بچوں کو ہنستا بستا‘کھاتا پیتا دیکھ کر اپنے اندر اطمینان محسوس کرے؟“فاطمہ کافی دیر تک دروازے کو تکتی رہی‘وہ کسی عمر بن خطاب کی منتظر تھی‘جو اس کو کھانے پینے کا سامان دے کر جائے۔

”امی!میری بات سنیں...“صبح اٹھتے ہی بسام نے خوشی سے اپنی والدہ کو پکارا۔

”امی!آپ کو پتا ہے میں نے خواب میں کیا دیکھا؟“فاطمہ نے نفی میں سر ہلایا۔

”میں نے دیکھا کہ بابا ہم سے ملنے آئے ہیں۔انھوں نے جنّتی لباس پہنا ہوا تھا اور وہ ہمارے لیے روٹی بھی لے کر آئے تھے۔“بسام کا چہرہ خوشی سے کِھل اٹھا۔

”امی!آج بہت مزہ آئے گا۔آج بابا ہمارے لیے ضرور روٹی لائیں گے۔“بسام نے خوشی سے نعرہ لگایا۔

فاطمہ کی آنکھیں بھیک گئیں۔

”ارے ہالہ کہاں ہے؟صبح سے ہی غائب ہے؟“فاطمہ نے پریشانی کے عالَم میں بسام سے پوچھا۔

”میں نے بھی صبح سے اس کو نہیں دیکھا۔“بسام نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔

اتنے میں ہالہ دوڑتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی۔اس کا سانس بہت پھول رہا تھا۔

”ہالہ!کہاں تھی تم؟ہم کتنا پریشان ہو گئے تھے۔“فاطمہ نے پریشانی کے عالَم میں ہالہ سے پوچھا۔

”امی!صبح میری جب آنکھ کھلی تو مجھے شدید بھوک لگی تھی۔میں نے سوچا آج یا کھانا کھاؤں گی یا شہادت پاؤں گی۔بس یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔اس خیال کے آتے ہی میں گھر سے نکلی‘یہاں تک کہ سرحد تک پہنچ گئی۔وہاں کچھ لوگ آئے ہوئے تھے‘جو روٹیاں بانٹ رہے تھے۔ان کو دیکھ کر میری خوشی دیدنی ہو گئی۔لوگوں کا جمِّ غفیر تھا للذا قطاریں بنائی گئیں۔ایک گھنٹہ قطار میں کھڑے ہونے کے بعد روٹی مل ہی گئی۔“ہالہ نے سر جھکاتے ہوئے کہا اور دوپٹے کے نیچے سے روٹی نکالی۔

”روٹی...“بسام خوشی سے اچھلا۔

”مگر بابا...؟؟امی!بابا کیوں نہیں آئے؟“بسام نے روتے ہوئے پوچھا۔

”بیٹا!بابا تو اللہ جی کی جنت میں ہیں۔ہم سب آخرت میں انشاء اللہ جنت میں ملیں گے۔“فاطمہ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

پھر ہالہ اور بسام روٹی کھا کر اتنا خوش ہوئے گویا کہ جنت کی نعمت مل گئی ہو‘پھر دونوں کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے اور رب کریم کا خوب شکر ادا کیا‘جس نے ان کو شدید بھوک میں کھانا کھلایا۔

آئیے!بیت السلام ویلفئیر ٹرسٹ کے روٹی پلانٹ پروجیکٹ میں اپنا اپنا حصہ ضرور ڈالیے‘تاکہ ہالہ اور بسام جیسے بچے روٹی سے محروم نہ رہ سکیں۔اس شامی بچے کا سہارا بنیے‘جو ہر صبح سرحد کی طرف دیکھتے ہوئے کہتا ہے۔

تم شہرِ اماں کے رہنے والو!
درد ہمارا کیا جانو
ساحل کی ہوا تم موجِ صبا
طوفان کا دھارا کیا جانو

آپ کے اعلیٰ کردار کی تعمیر ہی تعلیم کا اصل مقصد ہونا چاہیے۔جیسا کہ امام غزالیؒ نے فرمایا:”تعلیم کا مقصد محض یہ نہیں ہونا چاہیے کہ نوجوان ذہن کی علمی پیاس بجھادے‘اس کے ساتھ ہی اسے اخلاقی کردار اور اجتماعی زندگی کے اوصاف کو نکھارنے کا احساس پیدا کرنا چاہیے۔“یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ جب آپ جو پڑھیں اس پر عمل بھی کریں۔علم کو کتابوں سے نکال کر زندگی پر پھیلائیں۔یاد رہے کہ علم کو عمل میں تبدیل کرنا ہی اصل مقصد تعلیم ہے۔میری وہ بیٹیاں جو علم کی دولت سے فیض یاب نہیں ہو سکیں‘ان سے مجھے یہ کہنا ہے کہ ہمت نہ ہاریں‘وہ آپ اپنے طور پر گھر ہی میں پڑھنے لکھنے کا سلسلہ جاری رکھیں۔مجھے یقین ہے کہ حصولِ علم کا شوق اور سچی لگن راستے کی رکاوٹیں اور مخالفتیں ختم کر دی گی۔آپ اس دعا کا وِرد بھی جاری رکھیں”رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا“اے رب!تو میرے علم میں اضافہ فرما!علم تو ایک سمندر ہے‘اس کی کوئی انتہا نہیں اور آپ علم کے سمندر سے قطرہ قطرہ مستقل اپنے وجود میں شامل کرتی رہیں اور اپنے آپ کو ہمیشہ ایک طالب علم ہی سمجھیں۔

دعا گو
آپ کے ابو

دفاعِ پاکستان

اُمِ ابوبکر

"اوہ...!!" لائٹ چلی گئی توسب کی آواز ایک دم ہی گونجی۔

"رکھا کیا ہے اس ملک میں۔نہ گیس 'نہ بجلی 'نہ پانی۔" راحم نے جھنجھلا کر شرٹ کا گولہ بنا کر دور پھینکا" جہنم بن گئی ہے زندگی یہاں... جلداز جلد ویزا آئے اور میں نکلوں یہاں سے۔"

"ارے 'ارے... یہ تم جیسے ناشکروں کی وجہ سے اللہ کا عذاب آتا ہے اس ملک پر۔" دادا ابو' بہت عرصے سے راحم کے تیور دیکھ رہے تھے۔آج انھیں بھی غصہ آگیا۔

"ملک نے کیا دیا ہے؟ملک نے کیا دیا ہے؟جس کو دیکھو یہی کہتا ہے۔یہ بتاؤ تم نے ملک کو کیا دیا ہے؟ارے اپنے ملک نے تمھیں عزت دی ہے۔ہم سے پوچھو ہم نے یہ آزادی حاصل کرنے کے لیے کتنی قربانیاں دی ہیں۔آج جو نمازیں کھلے عام پڑھتے ہو' مسجدوں سے اذانیں بلند ہوتی ہیں۔ایک دور ہم پر ایسا آیا کہ ہم دیواروں میں لحاف بند کر کے قرآن پڑھتے تھے۔

کتنی مشکلوں سے آزادی نصیب ہوئی' کتنی گردنیں کٹائی ہیں۔میری منگیتر کو میرے سامنے سکھ لے گئے' دو دن بعد اس کی لاش ملی' پھر ہمارے علاقے میں دھاوا بول دیا۔ہماری بہنوں نے عزت بچانے کے لیے خود ہی موت کو گلے لگالیا۔وہ وقت کیسا گزرا ہم پر..." دادا ابو کی آنکھوں میں وہ منظر گھوم رہا تھا' ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔"رمضان کے سخت روزوں میں کتنی مشقت سے یہ ملک حاصل کیا ہے۔تم کیا جانو بیٹا! ہم نے کتنے دکھ سہے ہیں۔میں ٹرین کی دیوار پر چمٹ کر یہاں پہنچا' جیسے ہی پاکستان کرۂ ارض پر جلوہ گر ہوا تو یہود و نصاریٰ کے اذہانِ فاسقہ میں ایک خوف بن کر طاری ہو گیا۔ کبھی ہندو' پاکستان کی سرزمین کو اٹوٹ بھارت کے نام سے چھیننا چاہتے ہیں' کبھی اپنے آباؤاجداد کی وراثت کے طور پر چھیننا چاہتے تھے' کبھی مسلمانوں کو غاصب اور لٹیرے سمجھ کر کرتے تھے۔ستمبر 1965 بھی انھیں عوامل کا نتیجہ تھی۔6 ستمبر کی رات کو بھارت نے بغیر کوئی اطلاع دیے حملہ کر دیا۔ہر طرف دشمن کے ٹینک اور فوج نظر آ رہی تھی۔پاکستانی ایئر فورس نے دشمن کی توقع کے بالکل برعکس فوری ایکشن لیا۔دشمنوں کی گاڑیوں پر حملہ کیا تو وہ جی۔ٹی روڈ پر اپنی لاشیں اور سٹارٹ گاڑیاں چھوڑ کر بھاگ گئے۔بھارتی فوج کے اوسان خطا ہو گئے۔ہمارے دوست...آہ! میرے ابا جی کے خالہ کے بیٹے عزیز بھائی' جو میجر عزیز بھٹی کے نام سے جانے جاتے تھے۔دفاعِ پاکستان میں انھوں نے اپنی جان کی بھی پروا نہ کی اور اس ملک کی خاطر اپنی جان آفریں کر دی۔"

دادا ابو ہانپنے لگے تو مائدہ نے اٹھ کر جلدی سے انھیں پانی دیا۔راحم تو شرمندگی کے مارے سر ہی نہیں اٹھا پا رہا تھا۔

"میرے بچو...! ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ 70 سال پہلے پاکستان نے جو کارنامہ انجام دیا تھا۔ہم نہیں بھولے سرفراز رفیقی' سہیل چوہدری' امتیاز بھٹی کے فضائی کارنامے اور ایم ایم عالم کا کارنامہ' جب انھوں نے ایک منٹ سے کم عرصے میں بھارت کے پانچ برتر جہاز مار گرائے۔

"تم... تم باہر جانے کے لیے پر تول رہے ہو' اگر تم جیسے جوان چلے جائیں گے تو ملک کی حفاظت کون کرے گا۔باہر جاؤ تو سہی...قید کی زندگی ہو گی' غلامی کی زندگی گزارو گے۔جانے سے پہلے پوچھ تو لو ان لوگوں سے' جو باہر زندگی گزار رہے ہیں۔اپنوں کے چہرے دیکھنے کے لیے تڑپتے ہیں' ایسے میں تم اس ملک کو چھوڑ کر باہر جانے کی بات کر رہے ہو' حالاں کہ جب یہ مہینہ آتا ہے تو یاد کراتا ہے کہ اپنی تلواریں دیکھو...!! کہیں انھیں زنگ تو نہیں لگا۔اپنے گھوڑے دیکھو...!! کہیں انھیں تھکن کی جونک تو نہیں لگی!! ہمیں یہ دن آج سے 70 سال پہلے ودیعت کیا گیا تھا۔ہم نے اپنی تلواروں کی آب اور گھوڑوں کی تاب ثابت کر دی تھی۔اب بھی وہی ستمبر ہے اور وہی دشمن ہے۔پہلے دشمن سامنے سے حملہ آور ہوتا تھا اور اب ہماری جڑوں میں بیٹھ کر ہماری ہی جڑیں اکھاڑنا چاہتا ہے۔

اٹھو... میرے بچو اٹھو...!! یہ مت کہو کہ اس ملک نے ہمیں کیا دیا ہے؟ یہ آزادی دے دی ہے' جس کی وجہ سے ہم سکھ کا سانس لے رہے ہیں۔اب اس کا دفاع کرنا اس نسل کا کام ہے۔ہم نے تو اپنا کام کر دیا ہے۔اب اسے سجاؤ' سنوارو اور اس کی حفاظت کرو۔" راحم اٹھ کر دادا ابو کے قدموں میں بیٹھ گیا اور اپنا سر جھکا لیا۔اس کا انداز دادا ابو کو یقین کی ڈور تھمانے کا تھا۔یہ انداز اس کے عزم کو ظاہر کرتا تھا کہ اپنے ملک سے محبت ہی پاکستانی کی شان ہے۔اپنے ملک کے دفاع کے لیے ہمیں اپنا تن' من' دھن قربان کرنے کے لیے ہر دم تیار رہنا ہے۔

pg28 Kutchi Estate 7

وہی تو ہے

قسط نمبر 2

نفیسہ سعید

میرا خیال ہے کہ ہم دونوں کا ساتھ بس یہاں تک ہی تھا' کیوں کہ میں کسی ایسے شخص پر تھوکنا بھی پسند نہیں کروں گی جو میرے دین اور اللہ کا مخالف ہو۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل آئی۔ ٹیکسی تلاش کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جمع پانی گالوں پہ بہہ نکلا۔ وہ جو سمجھ رہی تھی کہ وہ اسے اس طرح تنہا نہ جانے دے گا' بل کہ دوڑ کر اس کے پیچھے آئے گا اور کہے گا کہ میں تمہیں آزمانے کے لیے مذاق کر رہا تھا' مگر ایسا کچھ بھی تو نہ ہوا اور روتی دھوتی وہ اپنے گھر پہنچ گئی۔

میں نے جلدی جلدی گروسری کا بل جمع کروا کر ٹائم دیکھا۔ منتہا کی چھٹی ہونے میں صرف پچیس منٹ باقی رہ گئے تھے۔ کراچی کی دھواں دھار ٹریفک کا تصور کرتے ہی یہ پچیس منٹ مجھے قدرے ناکافی محسوس ہوئے اور میں تیزی سے ٹرالی گھسیٹتی باہر کی جانب بڑھی تو اچانک ہی شیشے کا دروازہ دھکیلتا ایک شخص اندر داخل ہوا۔ اس پر نظر پڑتے ہی جیسے میرے قدم زمین میں دھنس گئے۔

"در شہوار تم...؟" میں جو سمجھی تھی کہ کئی سالوں کی گرد نے مجھ سے میرا اصل وجود چھین لیا ہے' آج پندرہ سال بعد اپنے سامنے کھڑے اس شخص کے منہ سے اپنا نام سن کر حیران رہ گئی۔

"کیسے ہیں آپ؟" سر پر موجود اسکارف کو ایک بار پھر سے درست کرتے ہوئے میں نے آہستہ سے پوچھا۔

تمہیں کیسا دِکھ رہا ہوں؟" جواب کے بجائے اس کی جانب سے سوال آیا' میں نے ہلکی سی نظر اٹھا کر دیکھا تو میرے سامنے کھڑا احسن مراد تبدیل ہو چکا تھا۔ گورا چٹا رنگ زمانے کی دھول مٹی کی نظر ہو گیا تھا' ہر وقت اکڑے کندھے قدرے جھک گئے تھے' یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے جھانکتی شرارت اور ذہانت کی چمک بھی شاید اس کے وجود کو چھوڑ کر جا چکی تھی' کیوں کہ اب ان نگاہوں میں محض بے زاری اور ناامیدی نظر آ رہی تھی یا ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو اور یہ صرف میرا وہم ہی ہو۔ "تم بہت بدل گئے ہو۔"

"جب کہ تم آج بھی ویسی ہی ہو۔" اپنے کوٹ کی جیب میں دونوں ہاتھ ڈالے وہ آہستہ سے بولا۔ مجھے یک دم منتہا یاد آ گئی۔

"سوری احسن! میری بیٹی اسکول میں میرا انتظار کر رہی ہو گی' مزید لیٹ ہونے کی صورت میں اس کی جانب سے لگایا جانے والا جرمانہ خاصا مہنگا ہوتا ہے۔"

"دوبارہ کب ملو گی؟" میری ساری گفتگو کو جیسے نظرانداز کر کے ایک اُمید' ایک آس لیے وہ مجھے تک رہا تھا۔

"کیوں! دوبارہ کیوں ملنا ہے؟" میں نے حیرت سے کندھے اچکا کر کہا۔

جواباً شاید وہ کچھ شرمندہ ہو گیا: "ہو سکے تو میرے واپس جانے سے قبل مجھ سے ایک ملاقات کر لو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ میرے بنا تم نے اپنی زندگی کے پچھلے سترہ سال کیسے گزارے اور تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں..."

"سوری احسن! کافی وقت بیت گیا ہے۔ تمہارے اور میرے تعلق پر دبیز مٹی کی گرد جم چکی ہے' جسے ہٹا کر دوبارہ پیچھے دیکھنا میرے لیے اب قطعی ناممکن ہے اور ویسے بھی میں اپنے شوہر کے بنا کوئی بھی کام کرنے کی عادی نہیں اور تم جانتے ہو کہ اگر رامس کو یہ پتا چلا کہ میں تنہا تم سے ملنے گئی ہوں تو یقیناً اسے خاصا برا لگے گا۔"

"مگر در شہوار! ہم دونوں کزن بھی تو ہیں۔"

"ضرور ہیں' مگر تم اچھی طرح جانتے ہو' ہمارے درمیان موجود ہر تعلق اور رشتہ کئی سال قبل ٹوٹ گیا تھا اور اب ہم دونوں کے قدم نئی زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہیں' ایسے میں اچھا نہیں لگتا کہیں بیٹھ کر بیتے ماضی کی یادوں کو تازہ کیا جائے' وہ ماضی جو شاید میرے لیے اب بالکل غیر ضروری ہو چکا ہے' یہاں تک کہ کبھی کبھی پشیمانی کا باعث بھی بن جاتا ہے۔" اسے جواب دے کر میں تیزی سے باہر نکل آئی کیوں کہ میرا فون مسلسل بج رہا تھا۔

بنا دیکھے میں جان چکی تھی کہ پارکنگ میں موجود خان بابا میرے لیٹ ہو جانے پر عالمِ پریشانی میں مجھے فون کر رہے ہیں۔ میں نے فون ریسیو کر کے ٹائم ضائع کرنے سے بہتر سمجھا کہ تیزی سے پارکنگ کی جانب بڑھ جاؤں۔ میں بنا پیچھے پلٹے یہ بھی جانتی تھی کہ داخلی دروازے کے باہر کھڑا شخص ایک حسرت و یاس لیے مجھے ہی تک رہا ہے' مگر اب بہت وقت گزر چکا تھا۔ اس کی یہ حسرت میرے لیے اپنے معنی کھو چکی تھی اور میں شکر گزار تھی اپنے رب کی' جس نے میری زندگی سے احسن کا نام خارج کر کے رامس کو شامل کر دیا۔ اب میرے لیے جو کچھ تھا وہ رامس ہی تھا۔ رامس کا تصور مجھے

اندر تک شانت کر گیا۔

"ہمارے مذہب میں مرتد کی سزا موت ہے۔"

صبح صبح تایا جی کی زور دار آواز در شہوار کے کانوں سے ٹکرائی' اس کے ناشتہ کرتے ہوئے ہاتھ اپنی جگہ ساکت ہو گئے۔

"آپ کا مذہب سوائے موت اور دہشت گردی کے اور ہے ہی کیا؟ جو آپ کے نظریہ کا ذرا سا مخالف ہو تو فوراً اس کے خلاف اعلانِ قتل کر دیا جاتا ہے۔"

"مجھے یقین نہیں آتا کہ تم میری اولاد ہو" تائی جی رو رہی تھیں "جانے کس گناہ کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے میری کوکھ سے تم جیسا ملعون اور مُلحد پیدا کر دیا۔"

"یہ تو آپ اپنے اللہ ہی سے پوچھیں' اگر وہ جواب دیتا ہے تو..." احسن شاید طنزیہ ہنس رہا تھا "میری سمجھ میں نہیں آتا' جس ہستی کا وجود ہے ہی نہیں' اس کی حقیقت بیان کرنے پر آپ لوگ اپنی سگی اولاد کے دشمن ہو گئے' اسے جان سے مار دینے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ یہ سوائے جہالت کے اور کچھ نہیں۔ میری بات مانیں ابا جی! یقین کر لیں کہ اللہ کہیں نہیں ہے۔ وہ صرف ایک فرضی تصور ہے جسے مولویوں نے اپنا کاروبار چمکانے کے لیے آپ جیسے کم فہم لوگوں کے ذہنوں میں ڈال دیا ہے۔"

"توبہ استغفار..." سیڑھیوں پر ساری گفتگو سنتی امی نے اپنے کانوں کو چھوتے ہوئے در شہوار کی جانب دیکھا' جو ناشتہ چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"یہ ساری کائنات جس کی تخلیق ہے۔ تم اس کے وجود سے انکاری ہو۔ جانتے ہو دنیا میں تمہیں لانے کا سبب بھی وہ ذات پاک ہے' جو ہمیں ہماری سوچ سے بڑھ کر عطا کرتا ہے۔ ابھی بھی وقت ہے' معافی مانگ لو اپنے پروردگار سے' وہ تم پر ضرور رحم فرمائے گا۔"

"مجھے اس دنیا میں لانے کا سبب آپ ہیں اللہ نہیں اور سائنس کی ترقی ہے' جس کی بدولت ہمیں یہ جنم ملا' جو آج ہماری زندگیوں کو آرام دہ بنا رہے ہیں۔ میں آپ کو چیلینج کرتا ہوں ابا جی! کہیں اپنے اللہ سے کہ وہ مجھے نیست و نابود کر دے۔ جس زمین پر میں کھڑا ہوں' وہاں میری قبر بنا دے۔ چلیں یہ نہ صحیح اسے کہیں کہ وہ میرے سامنے آئے اور مجھے یقین دلائے کہ وہ ہے۔" (جاری ہے)

امی کو ساری بات بتانی پڑی۔ "دیکھو بیٹا! ہم نے تمہیں بچپن سے شکر ادا کرنا سکھایا ہے اور تم یہ بھی تو سوچو کہ پچھلے سالوں تک تو ہم اس جانور کو خریدنے کے قابل بھی نہ تھے۔ یہ تو اللہ نے کرم کیا اور تمہاری نیک نیتی کی بنا پر یہ ہم خرید سکے ہیں۔" امی کی باتوں نے نبیل کو شرمندہ کر دیا اور اس نے فوراً امی سے معافی اور اللہ سے استغفار کیا اور اس نعمت پر شکر ادا کیا اور مسکراتے ہوئے بکرے کے لیے ڈول میں پانی بھرنے لگا۔

نبیل اپنے بکرے کی پیٹھ سہلاتے ہوئے کھلا رہا تھا' جب کہ افنان استہزائیہ نظروں سے اسے گھور رہا تھا' لیکن اب نبیل کو کسی کی پرواہ نہیں تھی۔

"ارے! یہ کیا ہوا میرے شیرو کو؟" افنان پریشانی سے بولا۔ بکرے کے منہ کے اندر اور چہرے پر عجیب قسم کے چھالے نکل آئے تھے۔ افنان اور اس کے والد نے جانوروں کے ڈاکٹر کو بلایا' جس نے بکرے کو ٹیکہ لگایا اور ایک مرہم لگانے کو دیا' مگر عید سے ایک دن پہلے بکرے کی حالت غیر ہو گئی اور بالآخر شیرو کو صدقہ کی نیت سے کاٹنے کا فیصلہ کیا گیا۔ افنان کی ساری اکڑ فوں ہوا ہو گئی تھی اور اب وہ نبیل سے نگاہیں بھی نہیں ملا پا رہا تھا۔

عید کی صبح نبیل نے اللہ پاک کا ڈھیروں شکر ادا کیا' جس نے انھیں اس کی راہ میں قربانی کرنے کی توفیق عطا کی اور پھر بسم اللہ' اللہ اکبر پڑھ کر نبیل کے ابو نے بکرے پر چھری پھیر دی۔ "امی مجھے اچھا سا گوشت تھال میں ڈال کر دیں' تاکہ میں سب سے پہلے افنان کے گھر پہنچا آؤں۔" امی نے محبت سے اپنے بیٹے کو دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ "السلام علیکم افنان! عید مبارک۔" نبیل نے افنان سے کہا اور تھال اسے تھما دیا۔

"نبیل! مجھے معاف کر دو۔ م' م' میں نے بہت زیادتی کی تمہارے ساتھ' جس کی سزا بھی مجھے بہت بڑی مل گئی ہے۔" افنان شرمندگی سے بولا۔

"میرے دوست!! میں تو تمہیں کب کا رب کی رضا کے لیے معاف کر چکا ہوں۔" اور پھر دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔

حضرت رابعہ بصری
رحمۃ اللہ علیہا

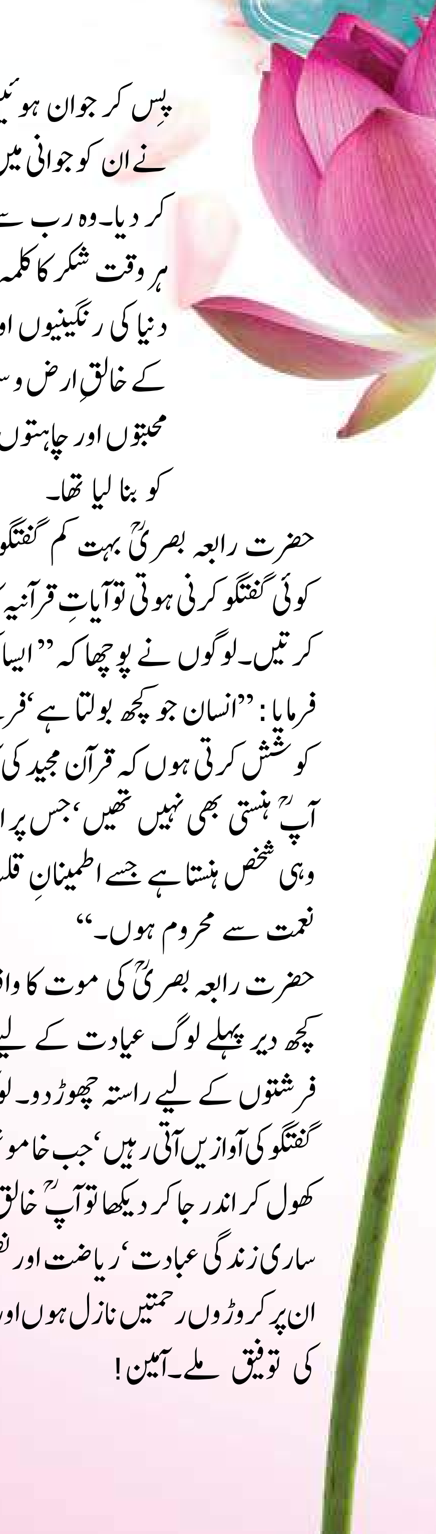

حضرت رابعہ بصریؒ 97 ہجری میں بصرہ میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام شیخ اسماعیلؒ تھا۔ بہنوں میں چوتھا نمبر تھا‘ اس لیے رابعہؒ نام رکھا گیا۔ بچپن ہی میں والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔

ایک دفعہ بصرہ میں خوف ناک قحط پڑ گیا۔ چاروں بہنوں کی ننھی جانیں برداشت کرتی رہیں‘ مگر ناقابلِ برداشت صورتِ حال نے بھیک مانگنے پر مجبور کر دیا۔ انھی حالات میں بصرہ کے تاجر عتیق سے ملاقات ہوگئی۔ رابعہؒ کی چہرے کی معصومیت سے عتیق متاثر ہوا۔ اس طرح تینوں بہنوں نے رابعہؒ کے بدلے مال لے لیا اور رابعہؒ بطورِ کنیز عتیق کے گھر آگئیں۔ یہ رابعہؒ کی مخلوقِ خدا کے لیے پہلی قربانی تھی۔

رابعہ بصریؒ نو عمر ہونے کے باوجود انتہائی ذمہ دار اور مستعد تھیں۔ عمر کے بارہویں سال سے ذوقِ عبادت بھی خوب بڑھ گیا۔ دنیاوی مالک کے ساتھ‘ حقیقی مالک کی رضا جوئی میں بھی انتہائی محنت کرتیں۔ دن دنیاوی مالک کے لیے تو رات حقیقی مالک کے لیے مختص کر دی تھی۔

ایک مرتبہ نصف شب عتیق کی آنکھ کھلی‘ اس کی نگاہ حضرت رابعہؒ کی کوٹھری پر پڑی‘ جہاں اجالا نظر آیا‘ سوچنے لگے کہ ”رابعہ ابھی تک جاگ رہی ہے؟“ چپکے سے جا کر دیکھا تو حضرت رابعہؒ کو مصلّے پر سجدہ ریز پایا‘ ہلکی ہلکی سسکیاں اور ان میں مدہم مدہم رب سے مناجات ہو رہی تھیں: ”اے اللہ تُو میری مجبوریوں سے واقف ہے۔ گھر کے کام کاج کی مشغولیت مجھے تیری طرف آنے سے روکتی ہے‘ تیرا منادی مجھے تیری عبادت کے لیے پکارتا ہے‘ مگر جب تیری بارگاہ میں حاضر ہوتی ہوں‘ نمازوں کا وقت گذر چکا ہوتا ہے۔ اے اللہ! میری معذرت قبول فرمالے اور میرے گناہ معاف فرمادے۔“ مالک کے دل پر اس آہ وزاری نے کچو کا لگا یا اور صبح ہوتے ہی رابعہؒ کو آزادی کا پروانہ مل گیا۔

رابعہ بصریہؒ نے انتہائی مشقت بھری زندگی گذاری۔ بچپن کی شرارتیں اور لاڈ‘ لڑکپن کی اٹھکیلیاں‘ بہناپے کی یادیں‘ سب ہی کچھ جو ایک لڑکی کی حسین یادیں ہوتیں ہیں‘ ان کے پاس کچھ نہ تھا‘ وہ تو مصائب اور غلامی کی چکی میں پِس کر جوان ہوئیں۔ اسی ریاضت اور مجاہدے نے ان کو جوانی میں ہی ولایت کے درجے پر فائز کر دیا۔ وہ رب سے کبھی شاکی نہ ہوئیں‘ بل کہ ہر وقت شکر کا کلمہ اپنائے رکھا۔ رابعہؒ نے دل کو دنیا کی رنگینیوں اور دلفریبیوں سے بے گانہ کر کے خالقِ ارض وسما سے نتھی کر دیا تھا۔ اپنی تمام محبتوں اور چاہتوں کا مرکز ربّ ذوالجلال کی ذات کو بنا لیا تھا۔

حضرت رابعہ بصریؒ بہت کم گفتگو کیا کرتی تھیں۔ اکثر اوقات کوئی گفتگو کرنی ہوتی تو آیاتِ قرآنیہ کا سہارا لے کر اپنا مطلب بیان کرتیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ ”ایسا کیوں کرتی ہیں؟“ جواب میں فرمایا: ”انسان جو کچھ بولتا ہے‘ فرشتے اسے لکھتے رہتے ہیں۔ میں کوشش کرتی ہوں کہ قرآن مجید کی آیات کے سوا کچھ نہ بولوں۔“ آپؒ ہنستی بھی نہیں تھیں‘ جس پر اعتراض ہوا تو فرمایا: ”دنیا میں وہی شخص ہنستا ہے جسے اطمینانِ قلب حاصل ہو اور میں ابھی اس نعمت سے محروم ہوں۔“

حضرت رابعہ بصریؒ کی موت کا واقعہ بڑا عجیب ہے۔ وفات سے کچھ دیر پہلے لوگ عیادت کے لیے آ رہے تھے‘ فرمانے لگیں: ”فرشتوں کے لیے راستہ چھوڑ دو۔ لوگ باہر چلے گئے‘ کچھ دیر اندر گفتگو کی آوازیں آتی رہیں‘ جب خاموشی چھا گئی اور لوگوں نے دروازہ کھول کر اندر جا کر دیکھا تو آپؒ خالقِ حقیقی سے جا ملی ہیں۔ آپؒ کی ساری زندگی عبادت‘ ریاضت اور نصیحت میں گزری۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں اور ہم کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق ملے۔ آمین!

pg33

Parus

Plastic

8

شکر کا صلہ

اہلیہ محمد فیصل

''اوئے! نبیل اپنا بکرا' میرے شیرو (بکرا) سے دور باندھو' اتنا چوزہ سا بکرا میرے شیرو کے ساتھ کھڑا اچھا نہیں ہے۔'' افنان نے نخوت سے کہا تو نبیل کا ننھا سا دل پسیج گیا۔

''نہ جانے کہاں سے اٹھالیا ہے' یہ چوزہ؟ لگتا ہے سوکھے کی بیماری ہے بے چارے کو' اس کی قربانی ہوگی بھی یا نہیں؟ مولوی صاحب معلوم تو کر لیجیو۔'' افنان مزید تمسخر اڑاتے ہوئے بولا اور اس کے ساتھ ہی اس کے لوفر دوستوں کا پورا گروپ قہقہے مارنے لگا۔ نبیل آنکھوں میں آئے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کرتا وہاں سے ہٹ گیا۔

افنان اور نبیل محلّہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ رشتے دار بھی تھے' مگر امیری غریبی کے فرق نے ایک واضح لکیر دونوں کے درمیان کھینچ دی تھی۔ افنان امیر والدین کی اکلوتی نرینہ اولاد ہونے کے ساتھ مغرور بھی تھا' چوں کہ سونے کا نوالہ منہ لے کر پیدا ہوا تھا' اور اس بات کا اسے شدت سے احساس بھی تھا اسی لیے جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا' اس تکبر میں بے پناہ اضافہ ہوتا گیا' جب کہ نبیل کے والدین غربت کی لکیر سے کچھ اوپر تھے' یعنی بس اپنی کمائی سے چٹنی روٹی کھا کر پورا کرتے مگر اللہ کا شکر کرنا نہ بھولتے اور اسی ادا پر رب کی رحمت ان پر برستی رہتی اور اطمینان سے اس گھرانے کے دل بھرے رہتے' لیکن پچھلے سال نبیل کے دل میں کیا سمائی کہ اس نے اپنی امی اور بہن بھائیوں سے ایک فرمائش کر ڈالی' وہ جانتا تھا کہ ابو کی کمائی اتنی نہیں کہ ابو قربانی کر سکیں اور ان پر واجب بھی نہیں تھی' مگر اپنے دوستوں کو بکرے گھماتے' کھلاتے' نہلاتے اور خوش ہوتے دیکھ کر ایک معصوم سی خواہش نے اس کے دل میں بھی سر ابھارا کہ کاش اس کے پاس بھی ایک بکرا ہوتا اور پھر اس نے اپنی امی اور بہن بھائیوں سے تعاون کی اپیل کی' جسے سب نے پہلے حیرت سے سنا' مگر پھر مسکرا کر قبول کر لیا۔ اب سب اپنی روزانہ کی خرچی ایک غلّق میں ڈالنے لگے' جب کہ امی ماہانہ بنیاد پر کچھ رقم پس انداز کر کے اس غلّق کی رونق بڑھاتیں' بالآخر اس سال غلّق کو توڑا گیا تو اس میں سے بمشکل چھ ہزار برآمد ہوئے۔ نبیل کو اپنی خواہش کی تکمیل بہت دور محسوس ہوئی۔ ابو جی' اس کی اداسی کو دیکھ کر کچھ سوچنے لگے پھر اپنے پاس سے ایک ہزار روپیہ شامل کر کے اسے امید دلائی کہ ہم اتوار کو منڈی چلیں گے' ان شاءاللہ! کوئی چھوٹا بکرا ضرور ان کو مل جائے گا۔ اب نبیل کو اتوار کا بے چینی سے انتظار تھا۔

''دیکھو بھائی! اتنے لاغر بکرے کے سات ہزار قیمت بالکل صحیح ہے۔'' ابو جی بولے۔ ''صاحب جی! اس سیزن میں تو کھوٹا کھرا سب مہنگے داموں بکتا ہے۔ ساڑھے سات ہزار دے دو اور ٹائم کھوٹا نہ کرو۔'' کافی پس و پیش کے بعد سات ہزار میں سودا ہو گیا۔ نبیل بہت خوش تھا اور وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا' کہ وہ جلد ہی خوب کھلا پلا کر بکرے کو موٹا کر دے گا' مگر آج پہلے دن جب باڑے میں نبیل نے اپنا بکرا' افنان کے موٹے تازے اور خوب صورت بکرے کے برابر باندھنا چاہا تو اسے اس مذاق کا نشانہ بننا پڑا جس کی وجہ سے اس کی ساری خوشی کافور ہو گئی۔

''کیا ہوا بیٹا؟ اتنے اداس کیوں ہو؟'' امی نے نبیل کی سوجی ہوئی آنکھوں سے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

''ک' ک' کچھ نہیں امی!!!'' نبیل نے اپنی کیفیت چھپانے کی کوشش کی' مگر ناکام رہا اور آخر امی کو ساری بات بتانی پڑی۔ ''دیکھو بیٹا! ہم نے تمھیں بچپن سے شکر ادا کرنا سکھایا ہے اور تم یہ بھی تو سوچو' کہ پچھلے سالوں تک تو ہم اس جانور کو خریدنے کے قابل بھی نہ تھے۔ یہ تو اللہ نے کرم کیا اور تمھاری نیک نیتی کی بنا پر یہ ہم خرید سکے ہیں۔'' امی کی باتوں نے نبیل کو شرمندہ کر دیا اور اس نے فوراً امی سے معافی اور اللہ سے استغفار کیا اور اس نعمت پر شکر ادا کیا اور مسکراتے ہوئے بکرے کے لیے ڈول میں پانی بھرنے لگا۔

نبیل اپنے بکرے کی پیٹھ سہلاتے ہوئے کھلا رہا تھا' جب کہ افنان استہزائیہ نظروں سے اسے گھور رہا تھا' لیکن اب نبیل کو کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ ''ارے! یہ کیا ہوا میرے شیرو کو؟'' افنان پریشانی سے بولا۔ بکرے کے منہ کے اندر اور چہرے پر عجیب قسم کے چھالے نکل آئے تھے۔ افنان اور اس کے والد نے جانوروں کے ڈاکٹر کو بلایا' جس نے بکرے کو ٹیکہ لگایا اور ایک مرہم لگانے کو دیا' مگر عید سے ایک دن پہلے بکرے کی حالت غیر ہو گئی اور بالآخر شیرو کو صدقہ کی نیت سے کاٹنے کا فیصلہ کیا گیا۔ افنان کی ساری اکڑ فو ہوا ہو گئی تھی اور اب وہ نبیل سے نگاہیں بھی نہیں ملا پا رہا تھا۔

عید کی صبح نبیل نے اللہ پاک کا ڈھیروں شکر ادا کیا' جس نے انھیں اس کی راہ میں قربانی کرنے کی توفیق عطا کی اور پھر بسم اللہ' اللہ اکبر پڑھ کر نبیل کے ابو نے بکرے پر چھری پھیر دی۔ ''امی مجھے اچھا سا گوشت تھال میں ڈال کر دیں' تاکہ میں سب سے پہلے افنان کے گھر پہنچا آؤں۔'' امی نے محبت سے اپنے بیٹے کو دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ ''السلام علیکم افنان! عید مبارک۔'' نبیل نے افنان سے کہا اور تھال اسے تھما دیا۔

''نبیل! مجھے معاف کر دو۔ م' م' میں نے بہت زیادتی کی تمھارے ساتھ' جس کی سزا بھی مجھے بہت بڑی مل گئی ہے۔'' افنان شرمندگی سے بولا۔

''میرے دوست!! میں تو تمھیں کب کا رب کی رضا کے لیے معاف کر چکا ہوں۔'' اور پھر دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔ (بقیہ ص 31 پر)

ایک حرف ایک کہانی — ق

قیصر کی قندیل

ڈاکٹر الماس روحی

قیصر اپنے ماں باپ کا بڑا قابل اور فرماں بردار بیٹا تھا۔ اس کا قد لمبا تھا۔ وہ قلفی' قلاقند اور سیب کی قاشیں بہت شوق سے کھاتا تھا۔ وہ بہت اچھا لکھاری بھی تھا۔ وہ جب چھوٹا تھا تو تب اکثر قلم لے کر کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں بناتا تھا۔ قیصر کے اماں ابا دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ ایک روز قیصر کے ابو نے اسے ایک رنگ برنگی چڑیا لا کر دی۔ یہ چڑیا بڑی انوکھی تھی۔ یہ عام چڑیوں سے قوی تھی۔ ابا نے اسے قفس میں رکھا۔ قیصر اسے روزانہ دانہ پانی ڈالتا تھا اور پھر دوبارہ قفس میں قفل لگا دیتا۔ ایک دن چڑیا اسے بولی: ''قیصر بھیّا! قفل لگا کر آخر تم مجھے کب تک رکھو گے؟ میں ایک اداس پنچھی ہوں۔ مجھے اپنا گھر اور اپنے بچھڑے ہوئے ساتھی بہت یاد آتے ہیں۔ وہ سب میری وجہ سے بہت پریشان ہوں گے اور مجھے یاد کرتے ہوں گے۔ یہ پَر اللہ تعالیٰ نے مجھے اُڑنے کے لیے دیے ہیں۔ اس قید خانے میں میرے بازو دُکھتے ہیں۔ میں یہاں اُڑ نہیں سکتی اور ڈھنگ سے جی نہیں سکتی۔ تم یہ قفل کھول دو اور مجھے آزاد کر دو۔''

اس ننھی چڑیا کی یہ باتیں سن کر قیصر کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ چڑیا تو بولتی بھی ہے۔ اسے اس چڑیا پر بڑا ترس آیا اور اس نے قفل کھول دیا۔ وہ چڑیا قیصر کو دعائیں دیتی ہوئی پُھر سے اُڑ گئی۔ شام کو قیصر نے اپنے ابا کو چڑیا کا سارا قصہ سنایا۔ ابا نے چڑیا کو آزاد کرنے پر قیصر کو شاباشی دی۔ دوسرے دن قیصر اپنے ابا کے ساتھ قصاب کی دُکان پر گیا۔ اس کے ابا گائے کے گوشت کا قیمہ بنوا رہے تھے۔ قیصر نے دیکھا کہ قصاب کی دُکان کے پاس ایک درخت تھا جس پر موٹی موٹی چونٹیاں ایک قطار بنائے ایک دوسرے کے پیچھے چلی جا رہی تھیں۔ وہ درخت کے تنے پر چڑھتیں اور اوپر جا کر ایک سوراخ میں گھس جاتیں۔ ان چونٹیوں کے منہ میں گوشت اور ہڈیوں کے چھوٹے چھوٹے ذرّات تھے۔ یہ دیکھ کر قیصر اس درخت کے قریب آیا اور ان چونٹیوں کو غور سے دیکھنے لگا۔ چونٹیاں جلدی جلدی وہ غذا اپنے قلعے نما گھر میں رکھ کر واپس لوٹتیں اور پھر سے قطار بنا لیتیں۔ چلتے چلتے ایک چیونٹی بولی: ''دیکھو! ہماری بھی کیسی قسمت ہے؟ اس قصاب کی دکان سے ہماری روز عید ہوتی ہے۔ اتنا تو گوشت ہمیں کھانے کو ملتا ہے۔ ہم سب روز بروز موٹی ہوتی چلی جا رہی ہیں۔'' اس کی بات سن کر دوسری چیونٹی نے ایک قہقہہ لگایا اور بولی: ''ہماری قسمت اچھی نہیں ہوگی تو پھر کس کی ہوگی۔ ارے! تم دیکھتی نہیں کہ اللہ کی مخلوق میں ہم ہی اتفاق اور اتحاد سے رہتے ہیں' اسی لیے اللہ تعالیٰ ہم پر مہربان ہیں۔'' اچانک وہ چیونٹی منہ میں ہڈی کا ذرّہ لیے دھڑام سے نیچے زمین پر گر گئی۔ قیصر نے اسے اٹھا کر واپس درخت کے تنے پر رکھا۔ ''یہ تمھیں اپنے غرور کی سزا ملی ہے۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کون سی مخلوق بہتر ہے۔'' پہلی چیونٹی کی اس بات پر سب چیونٹیوں نے ہاں میں ہاں ملائی۔ تیسری چیونٹی نے کھانسا پھر بولی: ''موسم بدلتے دیر نہیں لگتی۔ بارش کا ایک ہی قطرہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے' اس لیے ہم اپنے گھر میں بند ہو کر جمع کی ہوئی غذا سے کام چلاتے ہیں' کیوں کہ اچھے دنوں میں بُرے دنوں کی فکر کرنا ہی سمجھ داری ہے۔''

چوتھی چیونٹی بولی: ''جلدی کرو کیوں کہ شام ہوتے ہی ہمیں اپنا کام ختم کرنا ہے۔ یہاں رات کو کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اب وہ قصاب بھی اپنی دکان بند کرنے والا ہے۔'' (بقیہ ص 37 پر)

"مے...مے...مے!"
بکرامنڈی میں چاروں جانب مے...مے کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ہر طرف بکروں کے بھاؤتاؤلگ رہے تھے۔
توایک جانب تین دوست شیرو، شکرااور شہزادہ کھڑے آپس میں باتیں کرنے میں مصروف تھے۔
شیرو صرف نام کا ہی شیرو تھا۔براؤن کلر کا، دبلاپتلاسا، چھوٹے سے قد کا، تخفیف سا بکرا تھا۔اس کے رنگ روپ کی وجہ سے شیرو کا مالک اس پر کچھ خاص توجہ نہ دیتا تھا، جس کی وجہ سے وہ مزید مرجھایا مرجھایا سارہتا تھا۔
شکرا تھا تو شیرو کا ہم رنگ، لیکن اس پر موجود سفید سفید ڈیزائننگ جو قدرت کی طرف سے تھی۔اس پر مزید اس کے لمبے لمبے مڑے ہوئے سینگ اسے خوبصورت بناتے تھے۔اس کا مالک اسے غذا تو اتنی اچھی نہ دیتا، البتہ اسے روز بیسن کھلاتا تھا، جس کی وجہ سے اس کی جسامت میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا تھا۔
شہزادہ نام کا شہزادہ نہ تھا، بل کہ حقیقی شہزادہ لگتا تھا۔ سفید رنگ کا، اونچالمبا، بڑے بڑے سینگ، آنکھوں میں سرخ ڈورے۔اس کا مالک اسے اچھی غذا دیتا، بل کہ کبھی کبھی کسی گاہک کے سامنے بادام، پستے بھی کھلاتا، لیکن مجال ہے شہزادے میں ذرا بھی غرور ہو، جب بھی اس کا مالک اسے اچھی غذا کھلاتا، وہ کچھ حصہ نیچے گرادیتا، تاکہ اس کے دوست شیرواور شکرا بھی کھالیں، جو بھی گاہک آتا سب سے پہلے شہزادے کی طرف متوجہ ہوتا۔ شکرا کی کمر پر تھپکی پڑتی اور شیرو کا باقاعدہ مذاق اڑایا جاتا۔ شہزادہ پھر اپنے دوستوں کو تسلی دیتا۔
شہزادے کے ریٹ زیادہ تھے۔اکثر لوگ اسے حسرت سے دیکھتے رہ جاتے۔آخر کار ایک گاہک شہزادے کو خریدنے کے لیے تیار تھا۔
"مے...مے...مے!"
"ابھی عید میں اتنے دن باقی ہیں...مے...مے...تم لوگ میرے اس دوست کو لے جاؤ...مے...مے...یہ بے چارہ بھوکا رہتا ہے اکثر، اسے کھلاؤ پلاؤ...مے...مے...یہ تندرست اور صحت مند ہو جائے گا۔ میرا مالک تو مجھے اچھا کھلاپلادیتا ہے...مے...مے...تم لوگ ہی اس کا خیال کر کے لے جاؤ...مے...مے...!" شہزادہ چیختا، چلاتا ہی رہ گیا، لیکن اس کی کسی ایک نے نہ سنی، لیکن لینے والے گاہک عمر کو نحیف سا بکرالے جانے میں شرمندگی محسوس ہو رہی تھی کہ اپنے گھر میں وہ کیسے چھوٹا سا بکرالے جاتا۔لوگ کیسی کیسی باتیں کرتے، اوپر سے اس کے وہ دوست، جو آسٹریلین بیل لے کے آئے تھے۔ گواس کے پاس آسٹریلین جیسی کوئی گنجائش نہ تھی پر بکراوہ ایسا لے کر جاتا، جس سے اس کی ٹور تو بن جاتی۔
پچھلے سال وہ چھوٹی سی ایک گائیں لے کے گیا تھا، اس کا رنگ بھی گدلا سا تھا۔ کتنی بے عزتی ہوئی تھی اس کی۔لوگوں نے گدھا گدھا کر کے ناک میں دم کر دیا تھا۔اس کے پاس پہلے دن قصائی کے ریٹ کے مطابق پیسے بھی نہ تھے، پھر بھی جلدازجلد ذبح کرایا۔اوپر سے اڑوس پڑوس نے یہ کہلوادیا کہ ہم گدھے کا گوشت نہیں کھاتے۔ عمر بہت ہی افسوس سے اپنے ساتھ کھڑے ابوبکر کو قصہ سنا رہا تھا۔ریٹ طے کر کے بکرے کے لیے سوزوکی آئی۔ابوبکر پہلے ہی اپنا بکرالے چکا تھا۔دونوں کو سوزوکی میں سوار کیا اور منڈی سے نکل گئے۔
شہزادے کی آنکھ میں اپنے دوستوں سے جدائی کے آنسو تھے۔ شیرو بھی بہت رورہا تھا۔ شکرا بھی افسوس سے عمر کی کہانی سن رہا تھا۔
"...مے...مے...کیوں کرتے ہیں لوگ اس طرح شکرا بھائی؟ قربانی تو صرف اللہ کی رضا کے لیے کرنی چاہیے نا...اگر دکھاوے کی نیت آگئی تو قربانی تو قبول ہی نہیں ہوگی۔" شیرو بہت افسردہ تھا۔
"مے...مے...ہاں میرے دوست! قربانی بہت عظیم جذبہ ہے اور اللہ کو بہت محبوب عمل ہے، اگر اس میں ریا نہ ہو، بل کہ مکمل اخلاص ہو تو۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: "یوم الاضحیٰ کو انسان کا کوئی عمل اللہ کی بارگاہ میں خون بہانے یعنی قربانی کرنے سے زیادہ محبوب نہیں، کیوں کہ قربانی کا یہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت آئے گا اور قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ پالیتا ہے۔پس، اے ایمان والو! تم خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔" شکرا نے شیرو کی معلومات میں اضافہ کیا۔
انھیں باتیں کرتے تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک گاہک نے شکرا اور شیرو دونوں کا سودا کرلیا۔
"ارے معیز بھائی! اس بلی کے بچے کو کیوں خرید رہے ہو؟ سب مذاق اڑائیں گے آپ کا۔" انس نے جب شیرو کا سودا ہوتے دیکھا تو چلا اٹھا۔
شیرو کا دل دکھ سے بھر گیا۔
"ارے بھائی انس! میں اس بلی کے بچے کو لے جا رہا ہوں۔ابھی عیدِ قرباں میں کافی دن ہیں۔اسے کھلائیں گے، پلائیں گے تو یہ بکرے کا بچہ بن ہی جائے گا۔ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ "بکریوں کی خوب خدمت کرو، ان کی تکلیف دہ چیز کو دور کرو۔ یہ جانور جنت میں سے ہے۔" اور اس کے علاوہ اللہ کو نہ گوشت کی ضرورت ہے، نہ کھال کی اور نہ ہی خون کی۔ اللہ تعالیٰ کے پاس تو خالص نیت جاتی ہے۔" معیز کے جواب پر انس کو شرمندگی ہوئی۔
شیرواور شکرا جن کے دل اداس تھے، ان کی بات پر ایک دم ہی خوش ہوگئے اور مے...مے...کرتے ان کے ساتھ چلے گئے کہ انسان ہو یا جانور! بہت سے لوگ اب بھی ایسے ہیں، جو انھیں کم تر یا حقیر نہیں جانتے اور ان ہی اللہ کے نیک بندوں کی وجہ سے دنیا آج بھی قائم ہے۔

ہر قدم پر پریڈ کرتی ہوئی چیونٹیاں قطار در قطار قیصر کا شکریہ ادا کرتی ہوئی چلتی چلی گئیں۔ قیصر کے ابا نے قصاب سے گوشت کا قیمہ لینے کے بعد قیصر کو آواز دی اور اس کے بعد کباڑ خانے کا رُخ کیا جہاں بڑی بڑی قدیم اور قسم قسم کی اشیا تھیں۔ وہاں قیصر کے ہاتھ ایک قندیل لگی۔ اس کے ابا نے قینچی، قلم اور قالین پسند کی اور ان سب کی قیمت بھی ادا کی۔ اس کے بعد یہ سب سامان لے کر ابا گھر پہنچے۔ رات کو قیصر نے وہ قندیل جلائی۔ یہ قندیل بڑی انوکھی تھی۔ اس سے نہ صرف قیصر کا گھر روشن ہوا بل کہ محلے کے ہر گھر میں روشنی ہوگئی۔ قیصر کے علاقے میں بجلی نہیں تھی، اس لیے لوگ اندھیرے میں رہتے تھے۔ ہر گھر کے روشن ہو جانے سے سب لوگ قیصر کو دعائیں دینے لگے۔ درخت پر رہنے والی چیونٹیاں بھی اس روشنی سے بہت خوش تھیں۔ اب رات کو قیصر قندیل کی روشنی میں قالین پر بیٹھ کر اپنے اسکول کا کام کرتا تھا۔ وہ قاری صاحب کا قاعدے میں دیا ہوا سبق بھی یاد کرتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے قرآن پاک بھی ختم کرلیا۔ اماں قیصر سے کہتی تھیں: "قیصر! تم بڑے ہو کر قائد بننا۔" قیصر نے خوب محنت کی اور وہ ایک تحریک کا قائد بنا اور "قائدِ تحریک" کہلایا۔

		قاشیں	پھانکیں
قلاقند	مٹھائی		
قوی	طاقت ور	قفس	پنجرہ
قفل	تالا	قصہ	کہانی، واقعہ
قندیل	چراغ	قصاب	قصائی، گوشت بیچنے والا
قدیم	پرانا	قائد	رہنما

مکھی

عبد اللہ بن مولانا عبدالستار حفظہٗ اللہ ،متعلم جامعہ بیت السلام کراچی

”یار نبیل! ان مکھیوں نے تو ہمارا جینا حرام کر کے رکھ دیا ہے۔دوپہر کے وقت تو یہ ہمارے سروں پر اس طرح بھن بھنا رہی ہوتی ہیں‘جیسا کہ ایک جلّاد ‘جو ہمیں جگاتے رہنے پر مامور کیا ہوا ہو اور جیسے ہی ہماری پلکیں ایک دوسرے کی ملاقات کو آتیں تو وہ جلّاد اپنی ڈیوٹی نبھاتے ہوئے انھیں ایک دوسرے سے کوسوں دور کردے۔“

نبیل: ”بات تو آپ کی ٹھیک ہے‘لیکن اللہ تعالیٰ کی کوئی بھی مخلوق فائدے سے خالی نہیں۔اس مکھی کے نقصانات کم ،لیکن فائدے زیادہ ہیں۔سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ اگر یہ مکھی دنیا میں نہ ہوتی تو انسان طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتا۔کہا جاتا ہے کہ ایک شہر والوں نے ان مکھیوں سے تنگ آکر ایسی دوائی بنائی‘ جس سے تمام مکھیوں کو انھوں نے مار دیا اور کچھ دِنوں تک تو انھوں نے سکون کا سانس لیا‘لیکن انھیں اپنی اس غلطی کا احساس اس وقت ہواجب ان کے درمیان ایسی بیماریوں نے جنم لینا شروع کیا‘جن کا انھوں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا‘پھر کیا تھا‘جتنی بے دردی اور ظلم سے انھوں نے مکھیوں کو مارا تھا‘ اس سے کہیں درجہ زیادہ محبت سے وہ انھیں دوسرے شہروں سے اپنے شہر منتقل کرنے لگے اور اسی طرح ان مکھیوں کی تعریف میں‌سائنس دانوں‌نے یہ بھی کہا ہے‘اگر یہ مکھیاں دنیا میں نہ ہوتیں تو انسان اپنی پھیلائی ہوئی بدبو سے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا اور یہی وہ مکھی ہے‘جس کے ایک پر میں بیماری تو دوسرے پر میں شفاہے‘ لہٰذا بھائی عبد اللہ‘اگر آپ ان مکھیوں کو اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق تصور کریں گے اور ان کے فوائد کو اپنے سامنے رکھیں گے تو آپ ان سے اتنی نفرت نہیں کریں گے۔“

میں نے کہا: نبیل بھائی! بہت شکریہ ۔آپ کی بات مجھے سمجھ میں آگئی۔یقینا اللہ کی ہر مخلوق ،کسی بھی حکمت سے خالی نہیں ہے‘اگرچہ انسان کی عقل اسے سمجھ نہیں سکتی۔ بقول اقبال رحمہ اللہ علیہ :

نہیں ہے چیز نکمّی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں‘ قدرت کے کارخانے میں

استادوں کی خدمت کا صلہ

عبدالشہید‘13سال‘شعبۂ حفظ جامعہ بیت السلام کراچی

کراچی میں زبیر نام کا ایک لڑکا رہتا تھا‘جو مدرسے میں قرآن حفظ کرتا تھا۔اس کا ذہن بہت کمزور تھا۔وہ محنت بھی بہت کرتا تھا‘لیکن اسے کچھ بھی یاد نہیں رہتا تھا۔وہ خدمت گزار بچہ تھا اور اساتذہ کی خوب خدمت کرتا تھا۔استاد بھی اسے خوب دعائیں دیتے تھے۔استاد اس سے بہت خوش تھے۔وہ کلاس میں سب سے کُند ذہن بچہ تھا۔وہ اساتذہ سے بہت مار کھاتا تھا۔بچے اسے تنگ کرتے اور بہت چِڑاتے تھے ‘مگر وہ ان باتوں کا برا نہیں مانتا تھا۔آہستہ آہستہ بہت سال گزر گئے اور وہ ایک بہت بڑا شیخ الحدیث بن گیا۔انھوں نے اپنے بڑے بڑے مدرسے کھولے۔وہ خود بھی 20 سال تک حدیث کے استاد رہے۔ان پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں۔پوری دنیا میں ان کے ہزاروں شاگرد رہے۔یہ سب ان کو اپنے اساتذہ کی خدمت کا صلہ ملا تھا۔اسی لیے کہتے ہیں کہ اپنے اساتذہ کی خدمت کرنی چاہیے۔

pg38
Pervez
Omar
9

محمد عبداللہ، 8 سال، اقرا اسکول کراچی

اسامہ عامر، کلاس ون کراچی

ابراہیم وقاص انگلش لیول ٹو بیت السلام کراچی

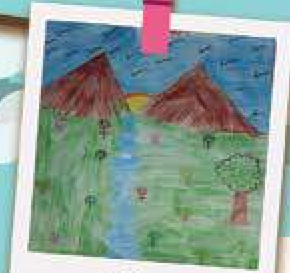
عفرا عبدالصمد کراچی

بچوں کے فن پارے

محمد افضل انگلش لیول تھری بیت السلام کراچی

نبیہہ نور امجد، 13 سال، ہشتم، کراچی

انس انور انگلش لیول ٹو بیت السلام کراچی

حافظ مصطفیٰ، 14 سال، ششم کراچی

محمد حبیب انگلش لیول ٹو بی بیت السلام کراچی

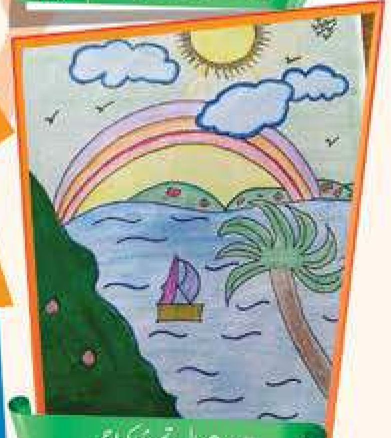
ماہین، 8 سال، تھری کراچی

پیارے بچو...!!!

اگست کا مہینہ ہمیں آزادی کی یاد دلاتا ہے اور اسی طرح ستمبر کا مہینہ ہمارے حوصلوں کو مضبوط بناتا ہے۔ پیارے بچوں کو یقینا یہ علم ہوگا کہ ستمبر 1965 میں پاک فوج نے ایک ولولہ اتحاد اور نظم و ضبط کے ساتھ پیارے وطن کا دفاع کیا تھا اور دشمنوں کے آگے ڈٹ گئے تھے۔ بالکل اسی طرح ہمیں بھی اپنے وطن کو بچانے کے لیے اتحاد اور نظم و ضبط کا مظاہرہ اپنے ہر عمل سے دکھانا ہوگا، تا کہ دشمن ہماری اتحادی قوت و طاقت سے ڈرتا رہے۔

خیال رکھنا

امیدِ صبحِ جمال رکھنا
خیال رکھنا، خیال رکھنا
وطن سے ہم ہیں، وطن ہے ہم سے
خیال رکھنا خیال رکھنا
چلو ملا کے قدم قدم سے
خیال رکھنا خیال رکھنا
وقار اس کا کبھی نہ کم ہو
خیال رکھنا خیال رکھنا
یہ خاکِ پاک اس کی ہے اپنی عزت
خیال رکھنا خیال رکھنا
وفا سے آسودہ ساعتوں کو سنبھالنا ہے
خیال رکھنا خیال رکھنا

ماہنامہ فہم دین ستمبر کے نئے سوالات

سوال نمبر1: عبد اللہ نے کیا عہد کیا؟
سوال نمبر2: عمر نے سوئٹر کسے دیا؟
سوال نمبر3: خالد کو کس کی دعا تھی؟
سوال نمبر4: ترکی والوں نے شام کے مسلمانوں کا کیا لقب دیا؟
سوال نمبر5: تمانیہ کے ابا نے کس چیز کی دکان کھولی؟

جولائی کے سوالات کے جوابات

سوال نمبر1: کرکٹ کی وجہ سے۔
سوال نمبر2: ایذائے مسلم کیا ہے؟
سوال نمبر3: وہ تیز بائیک چلانے، تصویریں کھنچوانے اور گانے سننے سے روکنا چاہتا تھا۔
سوال نمبر4: دنیا ایک کھیتی ہے، اس میں جو بوؤ گے، وہی کاٹو گے۔
سوال نمبر5: بادشاہ کی انگلی پر گولی لگنے پر وزیر نے کہا کہ اسی میں خیر ہوگی۔
سوال نمبر 6: جلدی سونا اور ٹی وی، ویڈیو گیم وغیرہ میں وقت ضائع نہ کرنا۔

مئی کے سوالات کا درست جواب دے کر انعام جیتنے والے تین خوش نصیبوں کے نام

- عائشہ سلطان، 13 سال، ہفتم، کراچی
- فاطمہ، 12 سال، شعبہ حفظ کراچی
- خولہ خالد، 15 سال، درسِ نظامی، کراچی

ان میں سے ہر ایک کو 300 روپے نقد اور ماہنامہ فہم دین مبارک ہو۔

نوٹ: آپ کا بنایا ہوا پیارا سا فن پارہ ہو یا سوالات کے جوابات ہوں اس کے ساتھ اپنا نام، عمر، کلاس، ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیے گا، ورنہ وہ قابلِ اشاعت نہیں ہوگا۔ اور پھر اسے ماہنامہ فہم دین کے ایڈریس پر پوسٹ کر دیں،
یا پھر وٹس اپ کے ذریعے 0304-0125750 پر ہمیں سینڈ کردیں۔

اے وطن تیرا دِلکش جہاں چوم لوں

ارسلان اللہ خان

یہ فضا، آسماں، کہکشاں چوم لوں
اے وطن! تیرا دلکش جہاں چوم لوں
تیری مٹی میں ایسی چمک ہے نہاں
مسکراتی ہیں سبزے میں گم وادیاں
میٹھے چشمے رواں خوب رُو چوٹیاں
لہلہاتے چمن گلستاں گلستاں
ایسا منظر کہ منظر کی جاں چوم لوں
اے وطن تیرا دلکش جہاں چوم لوں
تیری تاریخ کی گر کریں جستجو
ہے شہیدوں کا تیری زمیں پر لہو
وہ لہو اس طرح سے گرا کُو بہ کُو
کر دیا اس نے ذروں کو بھی مُشک بُو
وہ لہو، وہ مکاں، داستاں چوم لوں
اے وطن تیرا دلکش جہاں چوم لوں
معتبر تجھ سے ہے عزم و ہمت، وفا
تو کروڑوں مقدس دِلوں کی دعا
اے وطن! تو خدا کی عظیم اک عطا
تجھ پہ سو بار ہو جان میری فدا
تیری رفعت کا ہر ہر بیاں چوم لوں
اے وطن تیرا دلکش جہاں چوم لوں
توہی قائد کی جرأت کی تصویر ہے
خوابِ اقبال کی آج تعبیر ہے
ان فضاؤں میں نعرۂ تکبیر ہے
جس سے منزل کی راہوں میں تنویر ہے

کاش ہو جائے ملت بھی یک جا

آگیا پھر سے حج کا مہینہ
یاد آتے ہیں مکہ مدینہ
کیسی رونق ہے سارے عرب میں
میرے آقا ﷺ کے پیارے عرب میں
دور سے لوگ آئے ہوئے ہیں
جو خدا کے بلائے ہوئے ہیں
پیارا کعبہ خدا کا جو گھر ہے
درحقیقت زمیں کا صدر ہے
جاگ اٹھا ہے وحدت کا جذبہ
کاش ہو جائے ملّت بھی یکجا
لطف آنے لگا بندگی کا
ہے یہی مدّعا زندگی کا
دیکھو میزاب اور حجرِ اسود
رحمتِ رب کی کوئی نہیں حد
پی کے زمزم کریں دل منور
ہے یہ مشروب ہر شے سے بہتر
حج کے ارکان پورے ہوں سارے
دل کے ارمان پورے ہوں سارے
بعد حج کے مدینے کو جائیں
اپنے آقا ﷺ کا گھر دیکھ آئیں
جن کی کرتے ہیں ہم سب غلامی
دیں درودوں کی ان کو سلامی
جس جگہ سے بھی گزرے پیمبر ﷺ
کیسے پُرکیف ہوں گے وہ منظر
ان کی مسجد کے محراب و منبر
ذرّہ ذرّہ جہاں کا ہے اطہر
ارسلاںؔ جو وہاں مانگی جائیں

قائدِ قوم اور پاسباں چوم لوں
اے وطن تیرا دلکش جہاں چوم لوں
تیرے پنجاب و سندھ اور پختون خواہ
ہیں بلوچ، اہلِ کشمیر سب خیر خواہ
یہ اُخوّت کا جذبہ فلک ہے گواہ
سب کی منزل ہے اک، سب کی ہے ایک راہ
سوھنی دھرتی کا ہر ہر جواں چوم لوں
اے وطن تیرا دلکش جہاں چوم لوں

جنگِ ستمبر 1965

جوہر عباد

کریں آؤ تازہ ستمبر کی یادیں — کہ ہر اِک جواں دوش بہ دوش تھا
شجاعت، شہادت و نصرت کی باتیں — یوں دشمن کو زیر و زبر کر دیا
کیا دشمنوں نے اندھیرے میں وار — کہ ہر وار ہی بے اثر کر دیا
مگر تھے ہمارے جواں ہوشیار — وہ اس سر زمیں کے وفا دار تھے
عَدُو یہ سمجھتا تھا، آسان ہے — شہادت کے جذبے سے سرشار تھے
وہ بھولا کہ یہ پاک اِستان ہے — ہوئے سرحدوں پہ وہ یوں ارجمند
ہمارے وطن کے اصل پاسباں — کیا سبز پرچم وہاں سر بُلند
وہ بری و بحری، فضائی جواں — وہ سارے شہادت کے شوقین تھے
نہ تھی اپنی جانوں کی اُن کو فکر — وہ اقبال کے گویا شاہین تھے
رہے وہ محاذوں پہ سینہ سپَر — بڑی متحد تھی ہماری یہ قوم
بنے سب جواں سرحدوں پہ یوں ڈھال — ہوئی سرخ رُو تب ہی ساری یہ قوم
نہیں ملتی جس کی جہاں میں مثال — خدا رکھے جوہرؔ سلامت وطن!
تھا کیا ولولہ اُن میں، کیا جوش تھا؟ — سلامت رہے تا قیامت وطن

حمدِ باری تعالیٰ

مالکِ ارض و سما فرمانِ راحت بھیج دے
آسمانوں سے زمین پر اپنی برکت بھیج دے
کثرتِ غم میں ذرا سا سُکھ، ادھوری سی خوشی
آدمی دوزخ میں ہے ،تھوڑی سی جنت بھیج دے
اے خدا! بادل تِرے قاصد، ہوا تیری سفیر
تُو کسی اچھے سے موسم کی بشارت بھیج دے
اپنی صُبحوں کو صَباحت بخشنے والے کریم
ہم پہ بھی اپنے اُجالوں کی سفارت بھیج دے
اب نہیں ہوگا، رسولانِ محبت کا ظہور
کِبریا! اپنے رسولوں کی محبت بھیج دے
زخمِ دل پر ہاتھ رکھ کر زندگی جب مسکرائے
اپنے سارے رنگ، اپنی سب لطافت بھیج دے
عاصی کرنالی

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

حُبِّ نبی ﷺ بہ گامِ سفر ہو، جدھر چلو
سرکار ﷺ کی بتائی ہوئی راہ پر چلو
منزل بناؤ عشقِ رسالت ماب ﷺ کو
سورج کفِ عمل پہ رکھو، رات بھر چلو
جنت عطا کرے گی تمھیں نسبتِ رسول ﷺ
چاہے جدھر سے حشر اٹھے بے خطر چلو
یہ ہے عروجِ خاک نشینی مصطفےٰ ﷺ
افلاک چاہتے ہیں زمیں پر اتر چلو
موسوم ہے دیارِ مدینہ کے نام سے
جنت اسی زمیں پہ دکھاؤں، اگر چلو
کیا روز روز گھر کے شب و روز دیکھنا
دیکھو درِ رسول ﷺ کے شام و سحر چلو
کیوں خوار ہو دیارِ غمِ مصطفےٰ ﷺ سے دور
راقم بھٹک چکے ہو بہت اپنے گھر چلو
راقم جونپوری

ایٹم بم ایک فرض کی تکمیل

ایٹمی طاقت کے حصول میں بھی ایک مسلمان کا مشن قرآن کریم کے الفاظ میں یہ ہونا چاہیے: قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ ترجمہ: ”تُو کہہ کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی، میری موت محض اللہ رب العٰلمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں“۔

اس لیے مسلمانوں کی ٹیکنالوجی، ترقی بھی محض خدا تعالیٰ کے حکم سے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے۔ حضرت مفتی محمود صاحبؒ جب لیبیا تشریف لے گئے تھے تو آپ نے وہاں فرمایا تھا کہ مسلمانوں کے لیے ایٹم بم بنانا فرض ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں اپنی ہمت و بساط کے مطابق ہر ممکن تیاری کریں اور جو جدید سے جدید اسلحہ وہ حاصل کر سکتے ہوں کریں۔ یہ ان کا اسلامی و ایمانی فرض ہے،اگر لادین قوتیں محض اپنی قوت کی نمائش کے لیے ایٹمی طاقت بڑھا رہی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان جذبۂ جہاد اور اعلائے کلمتہ اللہ کی نیت سے یہ کام نہ کریں۔اسی کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ اپنی تمام تر قوت لگا دینے کے بعد بھی ان کو اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہیے: اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ترجمہ: ”اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہاری مدد سے ہاتھ کھینچ لے تو اس کے بعد کوئی ہے جو تمہاری مدد کرسکے؟ اور اہلِ ایمان کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے“۔

(حضرت مولانا محمد یوسف لُدھیانوی شہیدؒ، اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں، ج:1 ، ص:110)

موجِ تبسّم

اِکؔ موجِ تبسم میں کُل رازِ گلستاں ہے

اکتوبر سے شروع ہونے والا ہنستی مسکراتی تحریروں پر مشتمل ایک منفرد نیا سلسلہ

جس میں آپ بھی شریک ہوسکتے ہیں

جی ہاں! حقیقت پر مبنی آپ کی ایسی شرارت یا شوخی، جو آج بھی دوسروں کو مسکرانے پر مجبور کردے یا اسلامی تاریخ میں سے ہنسانے والے واقعات یا معاشرے کی عکاس معروف مزاح نگاروں کی تحریروں سے اقتباسات... مصنف اور کتاب کے نام کے ساتھ ارسال کریں۔

آئیے! دوسروں کے چہروں پر مسکراہٹیں بکھیرنے کی عظیم نیکی میں اپنا حصہ شامل کیجیے۔

،یاد رہے! مختصر ترین تحریروں کو جلد شائع کیا جائے گا

جب کہ من گھڑت واقعات اور بازاری لطیفے ناقابلِ اشاعت ہوں گے۔

اپنی تحریریں ”موجِ تبسم“ کے عنوان سے بذریعہ ڈاک، واٹس اَپ یا ای میل آج ہی روانہ کریں۔

سدا مسکراتے رہیں... اللہ خوش رکھے

آپ کے اشعار

جِن کے دامن میں کچھ نہیں ہوتا
اُن کے سینوں میں پِیار دیکھا ہے
ساغر صدِّیقی

میں تیرا گھر سمجھ کے سرِ راہ گِر پڑا
دیکھا جو آنکھ اُٹھا کے تو دروازہ دُور تھا
محمد علی جوہرؔ

خاموش ہیں ،گوشیشۂ دِل چُور ہوئے ہیں
اَشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں
مِیر اَنیسؔ

تنگ ہیں ہم پَر زمین و آسماں
چل کہیں اے دل! مگر اے دِل کہاں؟
رئیسؔ امروہی

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زُلفِ دَراز میں
لوآپ اپنے دام میں صَیّاد آگیا
مومن خاں مومنؔ

یہ دیکھنے کی ہیں آنکھیں نظر نہیں آتا
کہ اَب نِگاہ میں عِبرت نہیں ذرا باقی
اصغر گونڈویؔ

کہو کرے گا حِفاظت مِری ،خُدا میرا
رہوں جو حق پہ، مخالف کریں گے کیا میرا
اکبرؔ اِلہ آبادی

اے ذوقؔ گر ہے ہوش تو دنیا سے دور بھاگ
اس میکدہ میں کام نہیں ہوشیار کا
ذوقؔ

امیرِشریعت سید عطاء اللّٰہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ نے ہمارے سامنے کچھ ایسی شخصیتیں بھی پیش کی ہیں، جن کا اچھا کردار ان کے نام کا معنیٰ لازم ہو کر رہ گیا۔ رُستم کا نام آتے ہی بہادری کا نقش ابھرنے لگتا ہے اور حاتم کے نام سے ہی سخاوت مفہوم ہوتی ہے۔ سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری بھی تاریخ کے ان گنے چنے بزرگوں میں سے تھے، جن کا نام آتے ہی جرات و ہمت، ایمان و غیرت اور بلاغت و خطابت کے نقوش نام کے معنیٰ لازم بن کر آنکھوں کے سامنے نکھرتے ہیں اور تاریخ کے اس عظیم نام سے مردہ رگوں میں خون دوڑنے لگتا ہے۔

عطاء اللہ شاہ بمقام پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم پٹنہ 1891 میں ہی حاصل کی اور یہیں شعر و سخن کا ذوق پیدا ہوا۔اردو گھر کی زبان تھی،فارسی ادبیات کی تکمیل نے اس ذوق کو نکھارا اور عربی ادب نے مقصدیت کے خاکے میں علم و حکمت کے رنگ بھرے۔

سترہ برس کی عمر میں پنجاب آئے اور اسلامیات کا رخ کیا ساتھ میں حافظِ قرآن بھی تھے۔ امرتسر کی دینی فضاؤں نے وراثتِ نبوت کی دعوت دی۔ ان دنوں ادیب ،اریب اور فاضل ،لبیب مولانا محمد عالم آسیؒ،حضرت مولانا العلّامہ مفتی غلام مصطفےٰ قاسمیؒ اور عالم با عمل عارفِ اکمل حضرت مولانا نور احمد صاحب امرتسریؒ کے علم و فضل کا بہت شہرہ تھا۔آپؒ نے ان اکابر سے ادب، فقہ اور تفسیر کی تعلیم حاصل کی ازاں بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ خلیفۂ اعظم حضرت مولانا تھانویؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن چاٹگامیؒ سے حدیث پڑھی اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہؒ سے بھی حدیث کے اسباق تبرکاً سے قرآن کریم کا گہرا مطالعہ آپؒ کا امتیازی نشان تھا۔

پہلی جنگِ عظیم کے خاتمے پر سیاست میں قدم رکھا ۔برطانوی سامراج اور فرنگی سیاست پر گہری نظر تھی۔”الہلال“اور ”ستارہ صبح“ نے فکر کی تعمیر کی اور اکابرِ دیوبند نے ذہن کو جلا بخشی۔ انگریز سے اتنے متنفر تھے کہ ولایتی نسل کی مرغی اور انڈے تک کو ناپسند کرتے ، فرماتے تھے کہ یہ انتساب بھی مجھ پر گراں گزرتا۔ مرزائیت کی مخالفت بھی دراصل، ان کی انگریز دشمنی کا ہی انعکاس تھا۔ یہ صحیح ہے کہ ختمِ نبوت اسلام کا مرکزی عقیدہ ہے، لیکن وہ مرزائیت کے مخالف زیادہ تر اس لیے تھے کہ یہ انگریز کا ایک خود کاشتہ پودا ہے، جس کا مقصد مسلمانوں کے جذبۂ حریت کو دبانا اور انگریزی عملدار کو خدا کا سایۂ رحمت قرار دینا تھا۔

شاہ صاحبؒ اس فرنگی سازش سے یہاں تک متاثر تھے کہ مرزائیت کی تردید پوری زندگی کا موضوع بن گیا اور پھر پوری زندگی اس میں صرف کردی۔ انگریز کے خلاف وہ مجلسِ احرار کے داعی تھے تو آزادیٔ وطن کے بعد وہ مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے صدر تھے۔

(تحریکِ پاکستان کے عظیم مجاہد، ازسید اکبر شاہ بخاری)

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی دینی تعلیمی اور رفاہی خدمات کی جائزہ رپورٹ

اخبار السلام

ستمبر 2017ء بطابق ذی الحجہ 1438ھ

جامعہ بیت السلام تلہ گنگ کے حافظ احسن عبداللہ کی 968 نمبر لے کر راولپنڈی بورڈ سے میٹرک میں پہلی پوزیشن

امتحان کی تیاری صرف 7 ماہ میں کی، حکومت کی طرف سے بیس ہزار روپے نقد انعام، میڈل اور سرٹیفکیٹ دیا گیا

راولپنڈی (نامہ نگار خصوصی) جامعہ بیت السلام تلہ گنگ کے طالب علم احسن عبداللہ نے میٹرک کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ مذکور طالب علم نے 968 نمبر لیے۔ خاص بات یہ کہ پندرہ سالہ حافظ احسن عبداللہ اور ان کے پرائمری پاس ساتھیوں نے 7 ماہ کی مختصر مدت میں نویں اور دسویں کلاس کا نصاب مکمل کر کے بورڈ میں اعلی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ دریں اثنا راولپنڈی میں ہونے والی ایک سرکاری تقریب میں احسن عبداللہ کو مبلغ بیس ہزار روپے نقد انعام کے علاوہ میڈل اور سرٹیفکیٹ بھی دیا گیا۔

بیت السلام کراچی کے فری میڈیکل کیمپ سے تقریباً 600 افراد کا مفت علاج

جنرل میڈیکل کیمپ کے ساتھ آنکھوں کے مریضوں کا بھی چیک اپ کیا گیا آنکھوں کے جن مریضوں کو سفید موتیا تھا، ان کا لینز سمیت مفت آپریشن ہو گا شہر کے بڑے اسپتالوں کے 10 ڈاکٹر حضرات کی خدمات حاصل رہیں، تشخیص کے بعد تمام مریضوں کو مفت دوائیں اور دودھ کا پیکٹ بھی دیا گیا

کراچی (نمائندہ خصوصی) بیت السلام کے زیر اہتمام ایک اور فری میڈیکل لنک روڈ کا ٹھوڑ پر لگا۔ اس میڈیکل کیمپ کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں آئی چیک اپ بھی تھا۔ جن مریضوں کو سفید موتیے کا مرض تھا ان کو اسپتال ریفر کیا گیا' دن مقرر کر کے وقت بھی دیا گیا' مقررہ دن اس مریض کا لینز کے ساتھ بالکل فری آپریشن ہو گا۔ لگ بھگ 5 گھنٹے جاری رہنے والے کیمپ سے تقریبا 600 فراد نے استفادہ کیا۔ آنکھوں کے ایک ڈاکٹر اور ان کے دو ماتحتوں سمیت 10 ڈاکٹر شریک ہوئے۔ دوائیں اور چیک اپ بالکل فری تھا۔ دواؤں کے ساتھ مریضوں کو دودھ کے پیکٹ بھی دیے گئے۔ مریضوں میں بچے' خواتین' بوڑھے اور جوان بھی شامل تھے۔

جامعہ بیت السلام تلہ گنگ میں دو روزہ حج تربیتی ورکشاپ کا انعقاد

اصلاحی بیانات بھی ہوئے، ملٹی میڈیا پروجیکٹر پر نقشوں اور تصاویر کی مدد سے حج کا مکمل طریقہ بھی بتایا گیا

تلہ گنگ (نامہ نگار خصوصی) حسب سابق اس سال بھی جامعہ بیت السلام نے تلہ گنگ' چکوال اور گرد و نواح سے حج کے لیے جانے والے حضرات کے لیے دو روزہ تربیتی ورک شاپ کا اہتمام کیا' جس سے علمائے کرام کے اصلاحی بیانات کے علاوہ جامعہ کے ناظمِ تعلیمات جناب مفتی وقار نے ملٹی میڈیا پروجیکٹر پر تصاویر اور نقشوں کی مدد سے مناسکِ حج کا مکمل طریقہ بیان کیا۔ حج کا ارادہ رکھنے والوں کے لیے بیت السلام کی طرف سے احرام اور کتابوں کا ہدیہ دیا گیا۔

جامعہ بیت السلام للبنات میں عربی میڈیم درس نظامی کا آغاز

چھ سالہ نصاب کے پہلے سال میں داخلے مکمل، شامی معلمہ کے زیرِ نگرانی تعلیم کا آغاز ہو گیا

کراچی (پ ر) جامعہ بیت السلام للبنات نے عربی میڈیم درس نظامی کا آغاز کر دیا' کراچی کے علاقے ڈیفنس فیز 6 میں واقع اس جامعہ نے عربی میڈیم کے چھ سالہ نصاب کے پہلے سال میں داخلے مکمل کر لیے ہیں اور پڑھائی شروع ہو چکی ہے' عربی میڈیم درس نظامی کی نگرانی شامی معلّمہ کر رہی ہیں۔

pg47

J.

pg48

Brighto